اے سلام اور امن عالم کا داعی کیشۂ اشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

مئی 2024ء

شہر اعتکاف میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے فکر انگیز خطابات

خُدا کو کیوں مانیں؟ مذہب کیوں اپنائیں؟

شہر اعتکاف 2024ء میں تعلیمی و تربیتی نشستیں

اصلاحِ احوال اور آدابِ زندگی

﴿ڈاکٹر حسن محی الدین قادری﴾

تاریخِ تصوف اور تعلیماتِ صوفیاء

﴿ڈاکٹر حسین محی الدین قادری﴾

راہِ محبت و شوق میں تعلق باللہ کے مختلف زاویے اور راستے

﴿شیخ حماد مصطفیٰ المدنی القادری﴾

شہر اعتکاف 2024ء میں تعلیمی و تربیتی نشستیں

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضانِ نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیر نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

جلد: 38 / شوال ۱۴۴۵ھ / مئی 2024ء
شمارہ: 5 / ذوالقعدہ

چیف ایڈیٹر: نور اللہ صدیقی
ایڈیٹر: محمد یوسف
ڈپٹی ایڈیٹر: محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، محمد فاروق رانا
عین الحق بغدادی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم، جی ایم ملک
محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، سید علی عباس بخاری، فیصل حسین مشہدی
محمد بلال اُپل، علی عمران، داؤد حسین مشہدی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسن ترتیب — خصوصی اشاعت

اداریہ: خدا کو کیوں مانیں؟ شیخ الاسلام کے فکر انگیز خطابات	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: عقائدِ صحیحہ اور باطلہ میں امتیاز	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	6
فقہی مسائل: گناہ گار سے تعلق کی نوعیت	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	16
علم: تسخیرِ ذات، اصلاحِ اعمال اور تسخیرِ کائنات کا ذریعہ	ڈاکٹر شفاقت علی شیخ	21
شہرِ اعتکاف 2024ء	رپورٹ	28
27ویں شبِ رمضان: عالمی روحانی اجتماع		35
شہرِ اعتکاف میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے خطابات		40
شہرِ اعتکاف میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور شیخ حماد مصطفیٰ المدنی القادری کے خطابات		61
عالمی روحانی اجتماع کے موقع پر آنے والی نئی کتب کا تعارف	محمد فاروق رانا	73

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم | گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری | حکامی: قاضی محمود الاسلام

قیمت فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبر شپ/ رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

انتباہ!
مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 02930103644000 میزان بینک شالیمار لنک روڈ لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext: 128

حمدِ باری تعالیٰ

یہ فصلِ گل بھی تری، گلستان بھی ترا
خزاں بھی تیری ہے، دشتِ تپاں بھی تیرا ہے

یہ مہر و ماہ درخشاں، یہ انجم و پرویں
یہ کہکشاں بھی تری، آسماں بھی تیرا ہے

محیطِ عرش سے تا فرش ہیں ترے جلوے
وُہ لامکاں بھی ترا، یہ مکاں بھی تیرا ہے

یہ گردِ راہ کے ذرّے، یہ پُرفشاں لمحے
زمیں تیری ہے یاربّ، زماں بھی تیرا ہے

یہ تپتی راہ گزر، یہ شجر شجر سایہ
یہ دھوپ بھی ہے تری، سائباں بھی تیرا ہے

ہزار نغموں سے بہتر تلاوتِ قرآں
یہ حسنِ صوت، یہ سحرِ بیاں بھی تیرا ہے

کہاں نہیں تری آیت ہے بزمِ گیتی میں
یہ آنکھ بھی تری، یہ سماں بھی تیرا ہے

یہ بے کنار سمندر، یہ کشتیٔ ہستی
یہ ناخدا ترا، بادباں بھی تیرا ہے

ترے حضور بجز اس کے کیا کہے افسرؔ
یہ حمد بھی ہے تری، حمد خواں بھی تیرا ہے

﴿افسر ماہ پوری﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

ہر دور کا ہادی ہے تو پیکرِ قرآنی
تو رحمتِ عالم ہے تو جلوۂ رحمانی

یہ بات زمانے میں ہے باعثِ حیرانی
کی تیرے فقیروں نے عُسرت میں جہاں بانی

ہر ذرہ چمک اٹھا خاکِ عربستاں کا
صحراؤں نے دیکھی ہے ایثار کی طغیانی

آمد تری، انساں کی تاریخ کا سرمایہ
ممنونِ کرم تیری درویشی و سلطانی

ڈھایا ہے نہتوں نے شاہوں کے عزائم کو
تھی قوتِ ربانی وہ بے سرو سامانی

رستے پہ ترے چل کر ہر شخص نے دیکھا ہے
دنیا کے سفر میں ہے آسانی ہی آسانی

بنیاد جو اس کی ہے نامِ شہِؐ بطحا پر
ہے میرے گلستاں میں خوشبو کی فراوانی

اس نورِ مجسم کے جلوؤں میں نظر گم ہے
ہے جوہرِ آئینہ حسرت مری حیرانی

﴿حسرت حسین حسرت﴾

اداریہ

خدا کو کیوں مانیں؟ ۔۔۔ شیخ الاسلام کے فکر انگیز خطابات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ نے امسال شہر اعتکاف 2024ء کے موقع پر فکر انگیز اور بصیرت افروز خطابات کئے۔ ان کے خطابات نوجوانوں میں پھیلتے ہوئے الحاد اور مذہب بیزاری کے تناظر میں تھے۔ انہوں نے مسلسل 6 راتیں ’’ خدا کو کیوں مانیں؟ ، مذہب کو کیوں اپنائیں؟‘‘ کے عنوان پر اظہار خیال فرمایا۔ وجودِ باری تعالیٰ کی حقیقت کے بارے میں جہاں قرآن و سنت کے تناظر میں دلائل و براہین کا انبار تھا وہاں سائنسی ایجادات کے ذریعے اللہ وحدہ لاشریک کی ذاتِ کبریا کا اقرار بھی تھا۔ شیخ الاسلام کے خطابات کا ایک ایک حرف اُمت کے نوجوانوں کو فتنۂ دہریت اور لادینیت کی یلغار سے بچانے کے لئے ادا ہوا۔ انہوں نے اُمت کے نوجوانوں کو خبردار کیا کہ سوشل میڈیا اور کچھ ویب سائٹس کے ذریعے مذہب اور خدا سے دور کیا جارہا ہے۔ اس فتنے کا رد اور نوجوانوں کو فکری انتشار سے بچانا ایک بہت بڑا چیلنج اور ذمہ داری ہے۔

انہوں نے اپنے خطاب میں ایک اہم سوال اٹھایا کہ دہریت پر مبنی سوچ نوجوانوں کو گمراہ کرنے کے لئے واویلا کرتی ہے کہ جب کسی نے اللہ اور جنت و دوزخ کو دیکھا نہیں ہے اور نہ ہی ان کے وجود کو سائنس کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے تو پھر ہم ان دیکھی چیزوں پر یقین کیسے کر لیں؟ انہوں نے انتہائی خوبصورتی کے ساتھ اس باطل اور گمراہ کن پروپیگنڈا کا رد کرتے ہوئے جواب دیا کہ جو سائنس دان ایٹم اور اس کے منقسم ذروں نیوٹران، الیکٹران اور پروٹان کو دیکھے بغیر یہ اقرار کرتے ہیں کہ ان کا وجود ہے، اگرچہ آج تک کسی سائنسدان نے انہیں دیکھا اور نہ ہی کوئی ایسی خوردبین تاحال ایجاد ہوئی ہے جو ان ذرات کو دیکھ سکے، اس کے باوجود کوئی سائنسدان ان کی حقیقت کا انکار نہیں کرتا۔ ان ذروں کے وجود

کے بارے میں سائنسدانوں نے یقین بالغیب سے کام لیا مگر کائنات کے بنانے اور اسے چلانے والی ہستی کے وجود کے بارے میں ثبوت مانگے جاتے ہیں جو سوائے گمراہی اور کم علمی کے کچھ نہیں ہے۔

انہوں نے اللہ کے وجود پر مزید دلائل دیتے ہوئے کہا کہ انسان کا سارا علم حواسِ خمسہ کا مرہون منت ہے۔ یہ حواس جو دیکھتے، سنتے، چکھتے، چھوتے اور سونگھتے ہیں، ان کے سگنل دماغ کو پہنچا دیتے ہیں اور پھر دماغ ان کی تاثیر اور اثرات کے بارے میں حکمنامہ جاری کرتا ہے یعنی دماغ از خود کسی تاثیر کا نتیجہ اخذ نہیں کرتا۔ جب اللہ کی ذات حواسِ خمسہ کے علم سے بالاتر ہے تو یہاں اللہ کی حقیقت کے بارے میں دماغ کی ٹامک ٹوئیوں پر انحصار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اسی لئے قرآن مجید میں ایمان بالغیب کا بڑی صراحت کے ساتھ حکم صادر فرما دیا گیا کہ اللہ ہے مگر آپ حواسِ خمسہ اور دماغ کی محدود استعداد کے ذریعے اُس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہاں ایمان بالغیب کی فلاسفی اور اہمیت و ناگزیریت ظاہر ہوتی ہے۔

شیخ الاسلام نے اپنے خطاب کے دوران ایک اہم معاملہ کی طرف توجہ مبذول کروائی کہ انہوں نے اس موضوع پر دن رات مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ جو جو لوگ اللہ کے وجود کے خلاف منفی اور مضحکہ خیز دلائل دیتے ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی کسی مضمون کا مستند عالم یا سائنسدان نہیں ہے۔ اس بحث کو آگے بڑھانے والوں میں زیادہ تر فرسٹریشن اور ڈپریشن کے مارے ہوئے لوگ ہیں، جن کے اپنے کچھ نفسیاتی مسائل ہیں۔ جن لوگوں کا اپنا علم ناقص اور محدود ہو، وہ لامحدود کے وجود کا احاطہ کیسے کر سکتے ہیں؟

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ قرآن مجید نے اسی لئے علم کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور قرآن مجید عقل والوں سے ہی مخاطب ہوتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ اقراء ہے۔ انہوں نے بتایا کہ قرآن مجید میں 856 آیات ایسی ہیں جو علم کی اہمیت اور افادیت پر زور دیتی ہیں۔ 1000 آیات ایسی ہیں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ سائنس اور اس کی برانچز سے متعلق ہیں۔ سائنس کی ساری ایجادات کی عمر 2 سے 3 سو سال کے درمیان ہے۔ 2 صدیاں قبل تک سائنس کا انحصار ٹامک ٹوئیوں پر تھا جب کہ قرآن نے 14 سو سال قبل کائنات کی حقیقت کے بارے میں حقائق کھل کر بیان کر دئے تھے۔ سائنس جو بھی ایجاد کرتی ہے، درحقیقت وہ قرآن مجید کے بیان کئے گئے حقائق کی توثیق و تصدیق ہے۔

انہوں نے اپنے خطابات میں فرمایا کہ قرآن واحد کتاب ہے جو غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔ جو کتاب اپنے ماننے والوں کو غور و فکر اور تدبر کی دعوت دے، اس کا دیا ہوا علم مبہم کیسے ہو سکتا

ہے؟ مسلم نوجوان علم کیساتھ اپنا رشتہ قائم کریں، تحقیق وتدبر سے کام لیں اور علم پر محنت کریں۔ جو شخص بھی علم سے محبت کرے گا، علم پر محنت کرے گا، اس پر کائنات کے راز اور کائنات کی حقیقت وا ہوتی چلی جائے گی اور پھر کوئی ذہنی مریض اُسے گمراہ یا بدراہ نہیں کر سکے گا۔ مسلمانوں کی میراث ہی علم و تحقیق ہے۔ سائنس جو ایجادات کر رہی ہے وہ در حقیقت اللہ کی واحدانیت اور حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی تصدیق ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے جو جو فرمایا وہ سچ ہے اور آپ ﷺ سچی خبریں سنانے والے برحق پیغمبر ہیں۔ قرآن مجید کا ایک ایک حرف آپ ﷺ کے ذریعے انسانیت تک پہنچا۔

شیخ الاسلام نے ایک کہنہ مشق وکیل اور سائنسدان کی طرح ہزاروں معتکفین کے روبرو وجود باری تعالیٰ اور مذہب کی ضرورت واہمیت پر اپنا مقدمہ پیش کیا اور جامع المنہاج کے وسیع و عریض صحن میں قائم شہر اعتکاف میں اندرون و بیرون ملک سے آئے ہوئے ہزاروں معتکفین ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر رخصت ہوئے۔ امسال یہ شہر اعتکاف مسجد کا صحن کم اور سائنس کی تجربہ گاہ زیادہ لگ رہا تھا۔ شیخ الاسلام قرون اولیٰ کے مسلم سائنسدانوں کی طرح کائنات کے اسرار ورموز اور اس کی تخلیق و تشکیل کی غرض وغایت اور اس کی حقیقت سے پردے اٹھا رہے تھے اور سامنے بیٹھے ہزاروں معتکفین اللہ کی واحدانیت اور رسالت مآب ﷺ کی نبوت پر ناز کر رہے تھے۔ ہر زبان پر ایک ہی کلمہ رواں تھا کہ درس وتدریس، تعلیم و تعلم اور پڑھنے پڑھانے کا یہ منظر فی زمانہ ان آنکھوں نے کہیں اور نہیں دیکھا۔ معتکفین کا برملا اعتراف تھا کہ پہلے اللہ کو علم الغیب کے ذریعے واحد جانتے تھے، آج شیخ الاسلام نے ہمیں دل کی آنکھ سے اللہ کے وجود برحق کو دکھا دیا ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے 6 روزہ خطابات کے ذریعے قرآن مجید کی سائنسی اہمیت اور حقیقت تو بیان کی مگر اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے پاکستان سمیت پوری دنیا کے علمائے کرام، مبلغین، واعظین، ائمہ مساجد اور سوشل میڈیا ایکٹیوسٹس کو خطابات کا ایک نیا موضوع دے دیا ہے اور وہ موضوع ہے قرآن اور سائنس۔ آج کا نوجوان روایت پرست نہیں ہے، وہ ہر چیز کو سائنسی نتائج کے پیمانے پر پرکھتا ہے۔ علمائے کرام اپنے مطالعہ کو عصری تقاضوں کے مطابق وسعت دیں اور نوجوانوں کے ساتھ اُن کی علمی استعداد کے مطابق مکالمہ کریں۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ شہرِ اعتکاف کے خطابات کو بار بار خود بھی سنیں، عزیز واقارب کو بھی سنائیں، دوست احباب تک بھی ان خطابات کو پہنچائیں، فی الوقت یہ ایک بلند تر خدمتِ دین ہے۔

(چیف ایڈیٹر ماہنامہ منہاج القرآن)

عقائدِ صحیحہ اور باطلہ میں امتیاز

اصول وضوابط کے تعین کی ضرورت و اہمیت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

حصہ 2

ترتیب وتدوین: محمد یوسف منہاجین

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْ م بَعْدِ مَا جَآءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا م بَیْنَهُمْ۔

’’بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور اہلِ کتاب نے جو اپنے پاس علم آ جانے کے بعد اختلاف کیا وہ صرف باہمی حسد و عناد کے باعث تھا۔‘‘(آل عمران، ۳: ۱۹)

عقائد کے باب میں درست اور غلط میں تفریق کرنا از حد ضروری ہے۔ اس حوالے سے ہمیں قرآن وسنت سے methodology (طریقہ کار) حاصل کرنا ہوگی، جس کی روشنی میں ہم اس مقصد کو حاصل کر سکیں۔ اس سلسلہ میں زیرِ نظر مضمون کے حصہ اول (شائع شدہ اپریل 2024ء) میں ہم بعض احادیث نبوی کا مطالعہ کر چکے ہیں جن سے یہ واضح ہوا تھا کہ جو احوال بنی اسرائیل یعنی یہود ونصاریٰ کو پہلے زمانوں میں درپیش آئے تھے، عقائد، اعمال اور اخلاق میں وہی احوال امت مسلمہ پر بھی آئیں گے اور آقا علیہ السلام نے جوتے کے جوڑے کی مثال دے کر فرمایا:

لَیَأْتِیَنَّ عَلَی أُمَّتِی مَا أَتَی عَلَی بَنِی إِسْرَائِیلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ۔

(ترمذی، السنن، أبواب الإیمان، ۵: ۲۶، ۲۶۴۱)

’’میری امت پر وہ کچھ ضرور آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیا، جس طرح ایک جوتی دوسری جوتی کے برابر ہوتی ہے۔‘‘

اسی حدیث مبارک میں آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں 72 فرقے بن گے تھے اور میری امت میں 73 فرقے وجود میں آئیں گے۔ اُن میں سے 72 فرقے دوزخ کی طرف بلانے والے اور گمراہ کرنے والے ہوں گے اور ایک فرقہ نجات پانے والا ہوگا اور یہ فرقہ: ما انا علیہ واصحابی میری اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی راہ پر گامزن ہوگا۔

یہاں ضمناً اس امر کی وضاحت بھی کرتا چلوں کہ جب آقا علیہ السلام لفظ صحابہ استعمال فرماتے ہیں تو اُس میں صرف صحابہ ہی شامل نہیں ہوتے بلکہ اہل بیت اطہار بھی شامل ہوتے ہیں لیکن جب اہل بیت کا لفظ استعمال فرماتے ہیں تو اس میں اہلِ بیت کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل نہیں ہوتے۔ ان میں خصوص اور عموم کا تعلق ہے۔ اہل بیت اطہار کا اطلاق حضور علیہ السلام نے جن قدسی نفوس پر کیا ہے، وہ صحابہ کرام بھی ہیں۔ ازواج مطہرات صحابیات ہیں، سیدنا مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں، حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما صحابی ہیں۔ دوسری طرف حضور ﷺ نے ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا: باری تعالیٰ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ پس یہ صحابہ بھی ہیں اور اہل بیت اطہار بھی ہیں۔ اسی طرح جب کسی معاملے میں اہل بیت کا لفظ آقا علیہ السلام کی زبان اقدس سے صادر ہوگا تو اس میں جو فضیلت، شان یا تخصیص بیان کی گئی ہوگی، وہ تمام صحابہ کو حاصل نہیں ہوگی بلکہ وہ صرف ان ہی قدسی نفوس کے لیے ہوگی جن پر آقا علیہ السلام نے لفظ اہل بیت کا اطلاق فرمایا ہے۔

اس ضمنی وضاحت کے بعد اصل موضوع کی طرف واپس آتے ہیں کہ جب امت مسلمہ میں 73 فرقے، مسالک، مکاتب فکر، گروہ اور اعتقادی طبقات وجود میں آجائیں گے اور ہر کوئی شریعت کی بات کر رہا ہوگا اور اپنی دلیل بھی قرآن وسنت سے بیان کر رہا ہوگا تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیسے پتہ چلے گا کہ قرآن وسنت کی تعبیر و تشریح کس شخص کی صحیح ہے اور کون غلط تعبیر اور تشریح کر رہا ہے؟ اگر ایک عام شخص بغیر راہنمائی کے غلط اور صحیح میں امتیاز کرنے کے قابل ہو جائے تو اسے کسی سے پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں رہے گی۔ اگر سننے والے کو از خود پتہ چل جائے کہ فلاں کی دلیل غلط ہے اور فلاں کی دلیل صحیح ہے، اِس کا ماخذ درست ہے اور اُس کا ماخذ غلط ہے، یہ قرآنی آیت اور حدیث کا غلط اطلاق کر رہا ہے اور وہ درست اطلاق کر رہا ہے، اگر ایک عام بندے کو یہ خود سمجھ آجائے تو وہ کسی معاملہ پر اہل علم سے پوچھنے کیوں جاتا؟

لہٰذا ضروری ہے کہ عقائد کے باب میں غلط اور صحیح کے تعین کے لیے ایک methodology ہونی چاہیے۔ عام طور پر ہر شخص اپنے موقف، عقیدے اور اپنے نظریے کی تقویت کے لیے اور اپنے نقطہ نظر کی تعبیر و تشریح کے لیے قرآن وحدیث سے ہی دلائل لاتا ہے۔ اگر

وہ کتاب و سنت کا حوالہ نہ دے اور اس سے اپنی دلیل اخذ نہ کرے تو سننے والے اس کو سنتے ہی مسترد کر دیں گے کہ اس کے پاس کتاب و سنت کی دلیل ہی نہیں ہے۔ لہذا اس کا تو سودا ہی مارکیٹ میں فروخت نہیں ہوگا۔ اپنے عقیدے اور نظریے کا سودا بیچنے کے لیے اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اپنی دلیل کو قرآن و سنت سے اخذ کرے۔ یہی وجہ ہے ہر شخص قرآن و حدیث کی بات کر رہا ہے۔

اس تمام صورتِ حال میں سوال یہ ہے کہ غلطی کہاں واقع ہوئی اور گمراہی کس نقطہ سے شروع ہوئی۔۔۔؟ یاد رکھیں! وہ غلطی قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی نصوص میں واقع نہیں ہوئی۔ قرآن و حدیث دونوں منزّل من اللہ ہیں۔ قرآن وحی متلو ہے جو لفظاً اور معناً نازل ہوئی جبکہ حدیث نبوی وحی غیر متلو ہے، جو بذریعہ جبریل امین لفظاً نازل نہیں ہوئی، مگر اُس کا معنی آقا علیہ السلام کے قلبِ اطہر اور روح مبارکہ پر نازل ہوا ہے اور آقا علیہ السلام نے اسے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اس لیے حدیث کی بھی شرعی حیثیت وحی کی سی ہے۔ حدیث مبارک کی حقانیت پر ہی نہ صرف قرآن مجید کی حفاظت ہے بلکہ خود اللہ رب العزت، اللہ کے نبی کی رسالت اور ختم نبوت کی حفاظت ہے۔ بنیادی طور پر قرآن مجید اور حدیث نبویہ کے متون میں اختلاف نہیں ہے۔ احادیث نبوی کی بھی صرف صحت اور عدم صحت پر بحث ہوتی ہے مگر اصلاً اس پر اجماع ہے کہ حدیث میں کوئی غلط بات بیان کی گئی ہے، نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ قرآن اور حدیث دونوں حق ہیں اور دونوں کی اصل ایک ہے۔ جب دونوں کی اصل ایک ہے تو وہ نقطہ، جگہ اور مقام کون سا تھا جہاں سے بندہ ٹھوکر کھا گیا، اس سے غلطی ہو گئی، گمراہی شروع ہو گئی اور فرقے بننے لگے؟

دراصل وہ غلطی اور گمراہی ہماری اس تعبیر اور تشریح سے نکلی ہے جو ہم نے قرآن کی آیت اور حدیث کے ضمن میں کی ہے۔ اس کا معنی بیان کیا، اس کی مراد بیان کی اور مختلف صورتوں میں اس کا انطباق کیا اور اس سے احکام اخذ کیے۔ جہاں انسان نے اپنی عقل، صلاحیت، رائے اور علم سے کام لیا اور ان کی بنیاد پر تشریح کی، وہاں سے اس غلطی کا امکان شروع ہو جاتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ قرآن و سنت کے متون میں ہر باریک چیز، ہر چھوٹی تفصیل اور ہر قسم کی تعبیر و تشریح نہیں بیان کی گئی ہے بلکہ اس میں بنیادی باتیں ہوتی ہیں، جیسے ہمارے آئین اور قانون کی کتابیں ہیں جسے مختلف وکلاء بیان کرتے ہیں اور ان کی بنیاد پر ہر وکیل اپنی سمجھ بوجھ، علم اور صلاحیت کے مطابق ان کی تشریح و تعبیر کرتا ہے۔

قرآنی آیات کی غلط تعبیر و تشریح کی بنیادی وجہ

قرآن مجید کی بعض آیات محکمات ہیں، انھیں مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی اور بعض آیات متشابہات ہیں، یہ آیات ایک سے زائد مختلف معانی کا احتمال رکھتی ہیں۔ ان آیات کا کوئی ایک معنی کرتا ہے

تو دوسرا اس آیت کا دوسرا معنی بیان کرتا ہے۔ ان متشابہات کی وجہ سے ان آیات کو آیاتِ متشابہات کہتے ہیں۔ اب سوچنا یہ ہے کہ اس غلطی، گمراہی یا بد اعتقادی کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ م وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (آل عمران، ۳: ۷)

”وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جس میں سے کچھ آیات محکم (یعنی ظاہراً بھی صاف اور واضح معنی رکھنے والی) ہیں وہی (احکام) کتاب کی بنیاد ہیں اور دوسری آیات متشابہ (یعنی معنی میں کئی احتمال اور اشتباہ رکھنے والی) ہیں، سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے اس میں سے صرف متشابہات کی پیروی کرتے ہیں (فقط) فتنہ پروری کی خواہش کے زیر اثر اور اصل مراد کی بجائے من پسند معنی مراد لینے کی غرض سے، اور اس کی اصل مراد کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور علم میں کامل پختگی رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، ساری (کتاب) ہمارے رب کی طرف سے اتری ہے، اور نصیحت صرف اہلِ دانش کو ہی نصیب ہوتی ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں چار امور کا ذکر ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل فرمائی۔ یعنی امت کو اس قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ یہ کتاب گمراہی وضلالت کا باعث نہیں ہو سکتی بلکہ سراپا ہدایت ہے۔

۲۔ اس آیت کے دوسرے حصے مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ؛ میں واضح فرمادیا کہ اس قرآن میں کچھ آیات ایسی ہیں جو محکم ہیں۔ یعنی یہ آیات اپنے ظاہری معنی اور الفاظ میں بھی واضح ہیں۔ ان میں معانی کا اشتباہ نہیں ہوتا بلکہ ان کے ظاہری اور باطنی معانی اتنے واضح ہیں کہ شبہ پیدا ہونے کا امکان بھی نہیں رہتا ہے۔ یہ محکم آیات کتاب کی بنیاد ہیں۔ تمام اساسی عقائد، احکام، اخلاق، تعلیمات اور اساسی معاملات کی بنیاد ان آیات محکمات پر ہے۔

۳۔ آیت مبارکہ کے تیسرے حصہ؛ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ میں اس امر کی صراحت ہے کہ اس کی کچھ آیات متشابہات ہیں۔ یعنی ان آیات کے الفاظ تو بڑے واضح ہیں، ان میں کچھ ابہام نہیں ہے، مگر ان الفاظ کے معانی میں کئی احتمالات ہیں۔ ان کے معانی آپس میں ملتے جلتے ہیں، جس سے بندے کو مغالطہ لگ سکتا ہے۔ ایک بندہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا فلاں معنی ہے اور دوسرا کہہ سکتا ہے کہ نہیں بلکہ اس کا یہ معنی ہے۔

۴۔ اس آیت کے چوتھے حصہ: فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے، صرف وہ ان آیات متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔

آیت کریمہ کے اس حصہ سے واضح ہے کہ یہ فرقے کس طرح پیدا ہوتے ہیں اور گمراہیاں کیسے جنم لیتی ہیں؟ اس آیت کریمہ کا ایک ایک لفظ بنیاد فراہم کر رہا ہے، جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تفرقہ کیسے پیدا ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت نے واضح فرمادیا کہ یہ گمراہی اور غلط فہمی لوگوں کے دلوں میں کجی کا نتیجہ ہے۔ لوگوں کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی اور گمراہی ہوگی، جن کے دل زنگ آلود اور سیاہ ہوں گے انھیں قرآنی آیات واحادیث میں جہاں جہاں مختلف معانی کے احتمالات ملیں گے تو غلط احتمالات کی طرف اُن کے دل راغب ہو جائیں گے، وہ معنی کے غلط اطلاق، غلط تعبیرات اور غلط تشریحات کی طرف چلے جائیں گے۔ ان کے دل غلطی اور گمراہی کی طرف موافقت پکڑیں گے۔ وہ متشابہ آیات سے اپنی مرضی کے معانی اخذ کریں گے۔ ان کا یہ عمل مختلف فرقوں کے جنم لینے کا سبب بنے گا۔

۲۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں، جن کے دلوں میں نور، روشنی، صفائی، طہارت، تقویٰ، صدق اور اخلاص ہوگا، وہ قرآن اور حدیث نبوی ﷺ کے اس معنی تک رسائی پائیں گے جو اللہ اور اُس کے رسول کی مراد ہوگی اور جو اُس آیت وحدیث کا اصل معنی ہوگا۔

آیاتِ متشابہات سے کس طرح مختلف معانی اخذ کیے جاسکتے ہیں؟ ایک قرآنی آیت سے اسے واضح کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ہمیں مختلف مثالیں دے کر سمجھاتا ہے۔ مثالیں دینا اللہ کے کلام کی مجبوری نہیں بلکہ یہ ہماری مجبوری، کمزوری، کم فہمی اور کج فہمی ہے۔ ہمیں جو بات سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے، اللہ رب العزت ہمارے لیے آسانی پیدا کرنے کی خاطر اس کی مثالیں دے دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ ایک مثال اس طرح ہے کہ اس نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ۔ (النور، ۲۴:۳۵)

”اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال اُس طاق جیسی ہے جس میں چراغ روشن ہے۔“

یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی کہ آسمانوں اور زمینوں کا نور اللہ کیسے ہے؟ ممکن ہے جب سورج چڑھے اور دھوپ وروشنی نظر آئے تو کوئی یہ سمجھے کہ نور کا چشمہ و منبع یہ ہے اور کہہ دے کہ سورج خدا ہے یا کسی نے چودھویں رات کے چاند کو روشن دیکھا تو اُس کے ذہن میں بھی یہی تھا کہ اللہ زمین اور آسمان کا نور ہے تو اس نے چاند کو ہی خدا کہہ دیا۔ اس طرح گمراہی جنم لیتی ہے جو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

پہلے زمانوں میں سورج پرست، چاند پرست اور ستارہ پرست لوگ گزرے ہیں۔ گمراہیاں جب جنم لیتی ہیں تو اُن کے پیچھے کوئی ایک تصور، وجہ اور بنیاد ہوتی ہے۔ انسان جب اسے سمجھنے میں غلطی کرتا ہے یا اسے مغالطہ لاحق ہوتا ہے تو وہ گمراہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اللہ زمینوں اور آسمانوں کا نور ہے تو اس نے فوری طور پر اس کی مثال دے دی کہ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ اس مثال سے قرآن نے واضح فرمادیا کہ اللہ آسمانوں اور زمینوں کو نور مہیا کرنے والا ہے۔

وہ مثالوں کو ہماری ضرورت اور آسانی کے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ ہمیں بات آسانی سے سمجھ آئے، مگر ان مثالوں کی وجہ سے بہت سے بھی لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا۔ (البقرۃ، ۲: ۲۶)

وہ لوگ جنہوں نے فقط اس کے ظاہری معنی کو لے لیا اور اس کے حقیقی اطلاق پر نہ گئے، وہ ان مثالوں کو پڑھ کر گمراہ ہو گئے۔ یہ لوگ وہ تھے جن کے دلوں میں کجی، زنگ اور اندھیرا تھا، انھوں نے آیات متشابہات کے ظاہری معنی مراد لیے تو گمراہ ہو گئے۔ دوسری طرف بہت سے لوگ ان امثال کو پڑھ کر ہدایت بھی پاتے ہیں، اس لیے کہ ان کے دلوں میں طہارت اور تقویٰ کا نور تھا۔

یہ خیال کبھی نہ کریں کہ معاذ اللہ قرآن گمراہ کرنے والا ہے۔ نہیں، ایسا نہیں ہے بلکہ قرآن تو ایک صاف بارش کی طرح ہے، اگر وہ بارش صاف ستھری زمین پر ہو تو اس زمین سے گھاس، پھل پھول اور باغات اُگتے ہیں اور وہی بارش اگر ایسی زمینوں پر ہو جہاں غلاظت ہو تو وہاں سے تعفن اور بیماریاں جنم لیتی ہیں اور اطراف میں بدبو پھیلتی ہے۔ اس میں بارش کا تو کوئی قصور نہیں۔ بارش تو اللہ کا فیض اور اس کا کرم تھا، خرابی یا اچھائی اس زمین کے سینے کی تھی۔ جس زمین کا سینہ صاف تھا، اُس نے اُس فیض کو اس طرح لے لیا کہ خوشبو، ہریالی، باغات بن گئے اور جس زمین کے سینے میں گندگی و غلاظت تھی، اُس سے بیماریوں اور تعفن نے جنم لیا اور ہر طرف بدبو پھیل گئی۔ قرآن مجید کی محکم و متشابہ آیات بھی بارش کی مانند انسان کے قلب و روح کے اوپر اترتی ہیں۔ دونوں طرح کی آیات اللہ کا کلام ہیں، اُن کے اندر فیوضاتِ ربّانی، انوارِ الٰہی اور ہدایت پر مبنی خیر، نفع اور روشنی موجود ہے۔ مگر ہم میں سے بعض کے دل کی زمین صاف ستھری ہوتی ہے سو وہ ہدایت پا جاتے ہیں اور بعض کے دل کی زمین گندگی اور غلاظت سے بھری ہوتی ہے، وہ گمراہ ہو جاتے ہیں اور ان سے گمراہی کا تعفن جنم لیتا ہے۔

بعض اوقات لوگ کہتے ہیں کہ ہم صحیح اور غلط میں فرق کیسے کریں؟ کس کی بات مانیں؟ وہ بھی قرآن پڑھ رہا ہے اور یہ بھی قرآن پڑھ رہا ہے۔۔۔ وہ بھی حدیث کی بات کرتا ہے، یہ بھی حدیث کی بات کرتا ہے۔ یاد رکھیں! اس صورتِ حال میں بات اس کی ماننی ہے، جس کے دل میں کجی نہیں ہے،

جس کے عقائد و نظریات میں ہر حوالے سے طہارت اور تقویٰ کا پہلو غالب ہے۔ جس کے دل کی زمین میں بے ادبی، گستاخی اور فتنہ و فساد کی غلاظت نہیں ہے۔ جو دین اسلام کی تعلیمات اور بنیاد کے بارے تشکیک نہیں بلکہ تیقن پیدا کرتا ہے۔ جو اسلام کی 1400 سال کی تاریخ کو مد نظر رکھتا ہے اور بالخصوص قرونِ اولیٰ کے ائمہ اور بزرگانِ دین سے اکتسابِ فیض کرتا ہے۔

فیوضاتِ قرآن و حدیث کا حصول کیونکر ممکن ہے؟

حضور علیہ السلام کے فرائض نبوت کے حوالے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرہ، ۲: ۱۵۱)

”اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہی میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفسًا و قلبًا) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرارِ معرفت و حقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔“

یہ آیت چار مرتبہ قرآن مجید میں آئی ہے اور اس میں پوری methodology بیان ہوئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نگاہِ کرامت، اپنی صحبت و قربت اور اپنی تربیت کے فیض سے قلب و باطن کا تزکیہ کرتے ہیں۔ مَن کے اندر موجود میل کچیل کجی کا باعث بنتی ہے، یہی کجی بغض و عناد اور گندگی و غلاظت پیدا کرتی ہے، من اور قلب و باطن میں اندھیرا پیدا کرتی ہے، جس سے گمراہی جنم لیتی ہے اور قرآن پڑھ کر بھی لوگ گمراہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ دل و دماغ کی زمین اور قرآن مجید کے نور کا آپس میں جوڑ نہیں بنتا۔ دل اس کجی کے باعث قرآن مجید کو حاصل کرنے کے قابل نہیں بن سکے، دلوں میں اتنا اُجلا پن اور نفاست پیدا نہیں ہو سکی کہ قرآن مجید کے فیض کو اپنے اندر سمو سکیں۔ اس لیے فرمایا: وَيُزَكِّيْكُمْ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارا تزکیہ کرتے ہیں۔

پھر ارشاد فرمایا: وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ یعنی جب تمہارے دل و دماغ، قلب و باطن کا تزکیہ ہو جائے تو تب تمہیں کتاب یعنی قرآن اور حکمت یعنی سنت کا علم عطا کرتے ہیں۔ گویا قرآن اور سنت و حکمت کا علم بعد میں عطا کیا جا رہا ہے، پہلے تزکیہ کے ذریعے دل و دماغ کے برتن کو صاف کیا جا رہا ہے۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ گندے برتن میں کوئی کھانے پینے کی چیز نہیں رکھتے، اسی طرح اگر دلوں کا برتن گندا اور غلیظ ہے تو قرآن مجید کا نور اور ہدایتِ ربانی ان دلوں کا مقدر نہیں بنتی۔

انوارِ الٰہی اور قرآن مجید سے فیض یاب ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود تمام مراحل بیان کیے ہیں۔ لہذا تزکیہ کے حصول کے لیے ایک ریاضت اور مجاہدہ درکار ہے۔ ہم لوگ جب مجاہدہ کے بغیر علم کی طرف جاتے ہیں تو زندگی میں گمراہ ہونے کے ہزارہا امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ فقط علم میں ہدایت کی کوئی گارنٹی موجود نہیں ہے۔ خواہ قرآن مجید کا علم ہو یا تفسیر، حدیث، فقہ یا سائنس کا علم، علم جو بھی ہے، محض اس علم کے اندر ہدایت کی گارنٹی نہیں ہے۔ اس سے ہدایت بھی پا سکتے ہیں اور اور گمراہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اس علم سے ہدایت پانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے قلب و باطن اور دماغ کو صاف ستھرا کیا جائے اور اسے میل کچیل سے پاک کیا جائے، تب انوارِ الٰہیہ کی کھڑکی کھلے گی اور نور قلب کے اندر آئے گا۔ پھر اس باطنی نور کا قرآن کے ساتھ ایک جوڑ، ربط اور مماثلت بنے گی اور اس مناسبت کی وجہ سے پھر قرآن کی ہدایت کے سرچشمے جاری ہوں گے اور اگر تزکیہ کا یہ طریقہ نہ اپنایا تو گمراہی مقدر بنتی ہے۔

گمراہ ہونے والوں اور ہدایت پانے والوں میں فرق ہے۔ سورہ الزمر کی آیت نمبر ۲۲ میں ارشاد فرمایا:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔

”بھلا، اللہ نے جس شخص کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا ہو تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر (فائز) ہو جاتا ہے۔“

سینے کے کھل جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے اسے نور عطا ہوتا ہے۔ جو اُس کے قلب و باطن کو روشن و منور کر دیتا ہے اور تاریکیوں کو دور کر دیتا ہے۔ قلب و باطن کے اندر آنے والا یہ نور قرآنی مفاہیم، قرآنی آیات، قرآنی مطالب و معارف اور قرآنی ہدایت کے نور کے ساتھ ایک مناسبت و موافقت پیدا کرتا ہے۔ جب تک یہ مناسبت پیدا نہ ہو جائے، قرآن مجید سے اخذ ہدایت ممکن نہیں۔

اگر ہم نے اپنے ٹی وی یا ریڈیو پر کسی چینل کی نشریات دیکھنی یا سننی ہوں تو اُس کے لیے پہلے اُس چینل کے نمبر کو فکس کرتے ہیں پھر وہ چینل ہمارے ٹی وی اور ریڈیو پر نشریات دیتا ہے۔ یہ طریقہ ہر جگہ کارفرما ہے۔ جوں ہی ہم نے چینل کے نمبر کو فکس کیا تو مناسبت پیدا ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس نظام کائنات میں ایک مماثلت پیدا کی ہے۔ ہماری مادی دنیا کی زندگی ہو یا نباتاتی، جماداتی، حیواناتی یا روحانی زندگی، اصول اُس وحدہ لاشریک نے ایک جیسے پیدا کیے ہیں۔

بالکل اسی طرح قرآن اور حدیث کا نور لینے کے لیے قلب و باطن کے اندر نور کا ہونا ناگزیر ہے۔ قرآن و سنت کا نور حاصل کرنے کے لیے قلب و باطن کے انوار کے ساتھ ربط (connection) ہونا ضروری ہے تب ہی نورِ الٰہی اور ہدایت ملے گی۔ جب کوئی یہ مناسبت ہی پیدا نہیں کرتا اور اس کے قلب و باطن میں اندھیرے اور سیاہی ہے اور وہ نور الٰہی بھی لینا چاہتا ہے تو یہ امر communication کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اس کو کبھی نورِ ہدایت نصیب نہیں ہو سکتا۔

جن کے دلوں میں کجی ہے وہ آیاتِ متشابہات کی پیروی کیوں کرتے ہیں؟ قرآن مجید اس حقیقت کو بھی آشکار کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ۔ (آل عمران، ۳: ۷)

’’ اس میں سے صرف متشابہات کی پیروی کرتے ہیں (فقط) فتنہ پروری کی خواہش کے زیراثر اور اصل مراد کی بجائے من پسند معنی مراد لینے کی غرض سے۔‘‘

جب وہ اصل معنی و مراد کے بجائے من پسند معنی لینا چاہتے ہیں تو اس سے ان کا مقصود فتنہ پروری ہوتی ہے۔ قرآن مجید واضح کر رہا ہے کہ وہ اصل مراد کو چھوڑ کر من پسند معنی و مراد لینا چاہتے ہیں، اس وجہ سے وہ آیات جن کی تفصیلات بیان نہیں کی گئیں یا فروع بیان نہیں کی گئیں اور مزید تشریح و تعبیر اور مزید تفصیل مطلوب ہے، اس کے لیے وہ اپنا دماغ استعمال کرتے ہیں، اپنے فہم سے اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اس سے فتنہ پیدا کیا جاتا ہے یا اپنے مکتبۂ فکر، عقیدے اور مسلک و فرقہ کی تائید میں معنی نکالا جاتا ہے۔

☆ پھر ارشاد فرمایا:

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ۔ (آل عمران، ۳: ۷)

یعنی ان (آیات متشابہات) کی اصل مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔ ان آیات کی اصل مراد تک رسائی اُنہی کو نصیب ہوتی ہے جو علم میں رسوخ رکھتے ہیں۔ اس آیت کا معنی بھی دو طریقے سے کیا گیا ہے:

۱۔ الا اللہ کے بعد وقف کے ساتھ

۲۔ والراسخون فی العلم، کے بعد وقف کے ساتھ

اللہ تعالیٰ ان آیات متشابہات کی معرفت اور اصل مراد ان لوگوں تک پہنچاتا ہے جن دلوں کو معرفت میں کامل بنایا ہے، جنھیں علم میں رسوخ اور پختگی عطا کی ہے۔ والراسخون فی العلم کون ہیں؟ وہ لوگ جن کی Frequency اس ملاءِ اعلیٰ اور اُس عالم لامکان کے ساتھ مل گئی ہے جہاں سے انوارِ قرآن اترے ہیں۔ جس کی Frequency بارگاہِ الوہیت اور بارگاہِ نبوت کے ساتھ ایسی ملی کہ وہ قرآن کے انوار وصول کرنے کے قابل ہو گیا تو دل و دماغ انوارِ الوہیت اور انوارِ نبوت اخذ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ پھر اس آیت کے آخر پر اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (آل عمران، ۳: ۷)

’’اور نصیحت صرف اہلِ دانش کو ہی نصیب ہوتی ہے۔‘‘

معلوم ہوا کہ ہر شخص اس نصیحت کا حق دار نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام

گزشتہ کلام سے یہ سمجھا مقصود ہے کہ عقائد کے درست یا غلط کے تعین کے لیے ہمیں ایک methodology، اصول اور ایک قاعدہ و ضابطہ چاہیے، جس سے ہم قرآن و سنت کی صحیح تعبیر و تشریح اور غلط تعبیر و تشریح میں امتیاز پیدا کر سکیں۔ اس امتیاز کا فہم نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ قرآن کی آیات کا غلط اطلاق کر کے قوم و ملت کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اسی طرح وہ حدیث کو سیاق و سباق سے ہٹا کر پڑھتے ہیں اور اُن کا اطلاق غلط جگہ پر کر کے لوگوں کو گمراہ کر دیتے ہیں۔ سننے والے کو تو خود قرآن اور حدیث کا ترجمہ نہیں آتا، انھیں قرآن کا صحیح اطلاق معلوم ہے اور نہ حدیث کا سیاق و سباق معلوم ہے، اُس کے پاس تو علم نہیں ہے، لوگ ان سے صرف یہ سن کر متاثر اور مرعوب ہو جاتے ہیں کہ قرآن اور حدیث سے دلیل دے رہا ہے۔ لہٰذا ہمیں ایک آسان methodology وضع کرنی ہو گی جس کی روشنی میں عامۃ المسلمین یعنی تھوڑی سمجھ بوجھ اور معمولی علم رکھنے والے کے لیے بھی سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

(جاری ہے)

تجدید و احیائے دین، دعوت و تبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج و اقامت اسلام کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگہی کے لئے

ماہنامہ منہاج القرآن

کی سالانہ خریداری حاصل کریں

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext: 128
0300-8886334 Whatsapp: 0300-8105740
Web:www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

آپ کے فقہی مسائل

گناہ گار سے تعلق کی نوعیت

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیرِ نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: کیا گناہ گار ''البغض فی اللہ'' کے دائرے میں آتے ہیں؟ اور ''ونخلع ونترك من يفجرك'' سے مراد گناہ گاروں سے مکمل بائیکاٹ کرنا ہے؟

جواب: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللهِ، وَالْبُغْضُ فِي اللهِ.

تمام اعمال سے افضل اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا اور اللہ کے لئے دشمنی رکھنا ہے۔

(أبو داود، السنن، ۴:۱۹۸، رقم:۴۵۹۹)

درج بالا روایت اور اسی مفہوم کی دیگر روایات میں بیان کردہ 'البغض فی اللہ' سے مراد گنہگاروں سے یکسر قطع تعلقی نہیں بلکہ اس کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ بندہ مومن اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے تو اس کے صدقِ ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ اُن لوگوں سے محبت کرے جنہیں اللہ پسند فرماتا ہے اور دشمنی و بغض بھی اسی سے رکھے جو اللہ تعالیٰ کا مبغوض ہے۔ گویا ایمان لانے کے بعد ہمارے قلبی جذبات اور معاشرتی تعلقات کی بنیاد حسد، ذاتی عداوت و ناپسندیدگی یا نفع و نقصان پر نہیں بلکہ خالصتاً رضائے الٰہی پر مبنی ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خاطر کسی سے محبت و تعلق رکھا جاسکتا ہے تو یقیناً اللہ کے انعام یافتہ بندے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین، علمائے حق اور اولیاء اللہ ہوسکتے ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے ان سے سچی محبت و عقیدت

رکھے گا تو ظاہر ہے کہ وہ یقیناً ان کی اتباع و پیروی کرے گا اور اعمالِ صالحہ بجالائے گا۔ اسی طرح جو شخص اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے کسی سے بغض و عداوت رکھے گا تو وہ یقیناً دشمنانِ دین ہوں گے جو خدا کے دین کو مٹانے اور اس کے نظام کو تہ و بالا کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ ایسی صورت میں بندۂ مومن کا فرض ہے کہ ان دشمنانِ حق کی بیخ کنی اور دین کی سر بلندی کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں بروکار لائے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی دشمنانِ حق سے دوستی و تعلق رکھنے سے روکا ہے۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔ (الممتحنہ، ٦٠: ٨)

”اللہ تو محض تمہیں ایسے لوگوں سے دوستی کرنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں (یعنی وطن) سے نکالا اور تمہارے باہر نکالے جانے پر (تمہارے دشمنوں کی) مدد کی۔ اور جو شخص اُن سے دوستی کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔“

یہ حکم محاربین یعنی ان کفار کے بارے میں ہے جو مسلح ہو کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے کوشاں ہیں اور دینِ خدا کے خلاف اعلانیہ یا غیراعلانیہ طور پر برسرِ پیکار ہیں۔ جہاں تک غیر حربی کفار یا عام گنہگار افراد کا معاملہ ہے تو ان سے معاشرتی تعلق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔ (الممتحنہ، ٦٠: ٧)

اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے (یعنی وطن سے) نکالا ہے کہ تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو اور اُن سے عدل و انصاف کا برتاؤ کرو، بیشک اللہ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ غیر حربی یعنی امن پسند اور غیر مسلح کفار سے معاشرتی مقاطع کا حکم نہیں دے رہا بلکہ ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنے اور عدل و انصاف کا برتاؤ رکھنے میں کوئی حرج بھی قرار نہیں دیتا تو عام مسلمانوں سے معاشرتی قطع تعلقی کس

بنیاد پر روا رکھی جاسکتی ہے؟ اگر گنہگار افراد سے قطع تعلقی کرلی جائے تو ان کی اصلاح کی کیا صورت رہ جائے گی؟ پھر دعوت و تبلیغ تو صرف صلحاء کے لیے رہ جائے گی، ایسی صورت میں اسلام کی تعلیمات عام کرنے کی صورت کیا بنے گی؟

دعائے قنوت میں 'ونخلع ونترك من يفجرك' (جو تیری نافرمانی کرے اس سے مکمل طور پر علیحدگی اختیار کرتے ہیں) سے مراد بھی یہی ہے کہ ہم گنہگاروں کے عملِ بد سے علیحدگی اختیار کرتے ہیں، نہ کہ ان سے معاشرتی قطع تعلقی کا اعادہ کیا جا رہا ہے۔

درج بالا تمام دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر برے اعمال سے اجتناب کیا جائے۔ دینِ حق کے خلاف برسرِ پیکار کفار سے دوستی و محبت نہ رکھی جائے۔ گنہگاروں اور غیر مسلموں سے قطع تعلقی کی بجائے ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے اور انہیں اسلام کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کروایا جائے۔ لہٰذا گناہ سے نفرت کی جائے، گنہگاروں سے نہیں، کفر سے قطع تعلقی کی جائے پرامن کفار سے نہیں۔

سوال: رضائے الٰہی کا حصول کیوں ضروری ہے اور اس کا حصول کیونکر ممکن ہے؟

جواب: عمل کی قبولیت حسن نیت پر ہے اور حسن نیت کا نکھار اور کمال اللہ کی رضا سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کسی بندے سے راضی ہو جانا دراصل دنیا و آخرت کی سب سے بڑی دولت اور سب سے بڑا انعام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا.

''اے دیکھنے والے تو دیکھتا ہے کہ وہ کبھی رکوع کبھی سجود میں ہیں (غرض ہر طرح) اللہ سے اس کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلبگار ہیں۔'' (الفتح، ۴۸: ۲۹)

یعنی رضائے الٰہی کے طلبگاروں کو کسی چیز کی پروا نہیں وہ صرف اور صرف اپنے رب کی رضا کے طالب ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ (التوبہ، ۹: ۷۲)

''اور اللہ کی رضا سب سے بڑھ کر ہے۔''

اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق و مالک ہے، ہر کوئی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے مگر اللہ کسی کا محتاج نہیں۔ شان صمدیت کا مالک اور منتہائے رضا کا حقدار صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے مخلوق کے لئے اپنے خالق و مالک کی رضا حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ اگر بندہ خود کو غلام اور اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، خالق اور مالک حقیقی سمجھتا ہے تو پھر کونسا غلام ہو گا جسے اپنے مالک کی خوشنودی مطلوب نہ ہو اور پھر نیک اعمال کی انجام دہی جذبہ رضائے الٰہی کے لئے ایک

محرک کا کام دیتی ہے۔یہ ایسا بہترین محرک ہے کہ اگر بندے کے دل کا مرکز و محور صرف اور صرف اللہ کی رضا ہو تو دلوں کو ہر طرح کی آلائشوں سے نجات مل جاتی ہے۔ہر طرح کے خوف، لالچ، حرص و ہوس، غرور و تکبر اور حسد و منافقت وغیرہ حرف غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں اور دل پاک صاف ہو کر اللہ کی محبت کا ٹھکانہ بن جاتے ہیں۔ بندہ اس حالت میں جو بھی عمل کرے گا وہ خواہ ادنیٰ سا ہی کیوں نہ ہو، اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کا شرف پا کر حسین ہو جائے گا۔اس پر اللہ کی رضا و خوشنودی کی چھاپ لگ جائے گی اور یوں بندہ درجہ احسان پر فائز ہو جائے گا۔اس لیے رضائے الٰہی کا حصول ضروری ہے۔

رضائے الٰہی کے حصول کے لئے انسان کو اپنی جان و مال اور عزت و آبرو جیسی قیمتی چیزوں کو قربان کرنا پڑتا ہے تب جا کر انسان رضائے الٰہی کے مرتبے کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔جان کی قربانی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ.

”اور لوگوں میں کوئی شخص ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بھی بیچ ڈالتا ہے۔“(البقرہ، ۲: ۲۰۷)

پھر مال کی قربانی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرضَاتِ اللهِ.

”اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے خرچ کر دیتے ہیں۔“(البقرہ،۲ :۲۶۵)

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ. (المائدہ،۵:۵۴)

”اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوں گے۔“

لوگوں کی ملامت اور طعن و تشنیع کی پرواہ کیے بغیر اگر انسان اپنی یہ تینوں چیزیں راہ خدا میں قربان کر دے تو پھر کوئی سبب نہیں کہ وہ دولت رضائے الٰہی سے محروم رہے۔

سوال: کیا ”نہی عن المنکر“ صرف علماء کی ذمہ داری ہے؟

جواب: حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ.

تم میں سے جو شخص خلاف شریعت کام دیکھے تو اپنے ہاتھوں سے اس کی اصلاح کرے اور اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کا رد کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔(مسلم، الصحیح،۱:۶۹، الرقم:۴۹)

مذکورہ بالا حدیث مبارک میں برائی کی ہاتھوں کے ساتھ اصلاح کرنے اور طاقت نہ رکھنے کی صورت میں زبان سے اس کا رد کرنے کا فرمایا گیا ہے۔یہ بات برحق ہے کہ ہر برائی کو ہاتھ سے روکنے کے لیے طاقت اور اختیار کا ہونا ضروری ہے، لہٰذا جہاں تک کوئی برائی علماء کے ہاتھوں قابل اصلاح ہو تو علماء کا فرض بنتا ہے کہ اس کی اصلاح کریں۔اس کے علاوہ جن برائیوں کی روک تھام کرنا حکومت اور اداروں کا کام ہے، اُن کے لئے آواز بلند کرنا، عوام کو آگاہ کرنا اور اُن تک پہنچانا ہی علماء کا فرض ہو گا کیونکہ ہاتھ سے روکنے کی طاقت اور اختیار علماء کے پاس نہیں ہے۔ہر ایک اپنی ذمہ داری کو جوابدہ ہو گا۔حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْؤُولَةٌ عَنْهُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْهُ أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.(بخاری،الصحیح،۶: ۲۶۱۱،الرقم:۶۷۱۹)

خبردار ہو جاؤ کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحت افراد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔لہٰذا امام لوگوں کی طرف سے نگران ہے اور اس سے اُن لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا جو اُس کے ماتحت تھے اور ہر آدمی اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور اُس سے اُس کے ماتحت افراد کے بارے میں پوچھا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کے لیے نگران ہے اور اُس سے اُن کے بارے میں پوچھا جائے گا اور آدمی کا غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اُس سے اُس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحت افراد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

لہٰذا علماء کا برائی کے خلاف آواز بلند کرنا ان کا اخلاقی فرض ہے تا کہ برائیوں کا خاتمہ ہو سکے اور معاشرے کی اصلاح بہترین انداز میں ہو۔

علم تسخیرِ ذات، اصلاحِ اعمال تسخیرِ کائنات کا ذریعہ

ڈاکٹر شفاقت علی شیخ

اخلاق کی تہذیب واصلاح، سیرت و کردار کے نکھار اور شخصیت کی ترقی وارتقاء میں علم ایک مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ علم ایک ایسا درخت ہے جس پر سوچ اور سمجھ کی شاخیں اُگتی ہیں، بصیرت اور عقل کے پھل لگتے ہیں اور اس کے سبب شخصیت کی نشوونما میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔ علم ایک ایسا نور ہے جو شخصیت سے منفی اثرات کو غائب کر دیتا ہے۔ جب کسی انسان میں علم کا نور داخل ہوتا ہے تو اُس میں محبت و شفقت، عزت واحترام، ہمدردی و خیر خواہی، ایثار و قربانی، تواضع وانکساری، صداقت و دیانت اور خلوص جیسے اعلیٰ اوصاف پیدا کر دیتا ہے۔ ایسے انسان کا وجود معاشرے کے لیے روشنی کے مینار کی مانند ہوتا ہے جو نہ صرف خود روشن ہوتا ہے بلکہ اپنے وجود سے دوسرے لوگوں کو بھی روشن کرتا ہے اور اُن کی رہنمائی کرتا ہے۔

انسانیت کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ قوموں کے عروج وزوال میں علم کا بہت زیادہ کردار ہے۔ ہر دور میں وہی قومیں قیادت کے منصب پر فائز ہوئیں جو علم میں دوسروں سے آگے تھیں۔ جس زمانے میں مسلمان علمی میدان میں برتری کے حامل تھے، اُس وقت امامتِ عالم کا تاج بھی انہی کے سر پر سجا ہوا تھا لیکن جب سے علم کی دوڑ میں مغربی اقوام آگے بڑھ گئی ہیں، زندگی کے دوسرے میدانوں میں بھی قائدانہ حیثیت اُنہی کو حاصل ہے اور مسلمان ہر معاملے میں اُن کی پیروی کرنے پر مجبور ہیں۔

اس کائنات میں طاقت کے بہت سے ذرائع ہیں۔ مال و دولت بھی اپنے اندر ایک طاقت رکھتی ہے، کسی عہدہ و منصب پر فائز ہونا بھی طاقت کا حامل بناتا ہے، ہم خیال لوگوں کا میسر آجانا بھی انسان کو طاقتور بناتا ہے۔ اسی طرح بندوق، توپ، ٹینک اور دوسرے ہتھیار بھی طاقت کا ذریعہ ہیں مگر دنیا کی کوئی مادی طاقت ایسی نہیں ہے جو علم کی طاقت کا مقابلہ کر سکے۔ دنیا میں بڑے بڑے انقلابات علم کی طاقت سے ہی برپا ہوتے ہیں۔ علم سے مراد کوئی مخصوص علم نہیں ہے بلکہ ہر قسم کا علم ہے۔ یہ علم روحانی بھی ہو سکتا ہے اور مادی بھی۔۔۔ دین کا بھی ہو سکتا ہے اور دنیا کا بھی۔۔۔ قدیم بھی ہو سکتا ہے اور جدید بھی۔۔۔ کسی مخصوص شعبے (Specif ic Field) کا بھی ہو سکتا ہے اور عمومی (General) بھی۔ ایک شخص جو کسی بھی میدان میں ہے مثلاً ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ تو جب تک وہ اپنے مخصوص شعبے کے حوالے سے علمی پختگی کا حامل نہیں ہو گا، بہت زیادہ ترقی نہیں کر سکے گا اور نہ ہی اس میں اپنا مقام بنا سکے گا۔ عمومی علم سے مراد یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔۔۔؟ قومی معاملات کیا ہیں اور بین الاقوامی مسائل کیا ہیں۔۔۔؟ دنیا کن خطوط پر آگے بڑھ رہی ہے۔۔۔؟ زندگی کے مختلف شعبوں میں کیا ترقیاں (Developement) ہو رہی ہیں۔۔۔ جو شخص جس معاملے میں جتنا زیادہ علم حاصل کرے گا، اُس کی ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے امکانات اُتنے ہی زیادہ روشن ہوتے چلے جاتے ہیں۔

علم اور تسخیرِ کائنات

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور کائنات اور اس کی جملہ اشیاء کو انسان کے لیے ہی بنایا گیا ہے۔ نیز پوری کائنات اور اُس کے جملہ مظاہر کو انسان کے لیے مسخر بھی کر دیا گیا ہے تاکہ وہ حسبِ منشا اُن سے کام لے سکے۔ لیکن انسان کے اندر مسخر کرنے کی قوت اور کائنات کے اندر مسخر ہونے کی صلاحیت بالقوہ ہے، بالفعل نہیں ہے یعنی بطور امکان تو ہے لیکن بطورِ واقعہ نہیں ہے۔ جیسے ایک بیج کے اندر درخت بننے کا امکان تو موجود ہوتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ درخت بن بھی جائے۔ اس امکان کو حقیقت میں بدلنے کے لیے اُس پر قوانینِ فطرت کی روشنی میں محنت کرنا ہو گی۔ ایسے ہی تسخیرِ کائنات کو بطورِ واقعہ معرضِ وجود میں لانے کے لیے اُس کی حکمتِ عملی کو اپنانا ہو گا اور اُس حکمتِ عملی کو آشکار کرنے والی قوت کا نام علم ہے۔ علم ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے ذریعے انسان ستاروں پر کمندیں ڈال سکتا ہے، ہواؤں اور فضاؤں پر حکمرانی کر سکتا ہے، پہاڑوں کا جگر کاٹ سکتا ہے، بپھرے ہوئے سمندروں کا رُخ موڑ سکتا ہے، زمین کا سینہ چیر کر اُس کی تہہ میں چھپے ہوئے خزانوں کو اپنے تصرف میں لا سکتا ہے اور شیر، چیتے، ہاتھی وغیرہ جیسے وحشی درندوں کو پنجرے میں بند کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام بڑے ٹھوس اور محکم قوانین پر اُستوار کیا ہے۔ یہ قوانین اتنے اٹل ہیں کہ ان میں کسی بھی قسم کا تغیر و تبدل ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ اس کائنات میں رونما ہونے والے ہر چھوٹے بڑے واقعہ کی تہہ میں کوئی نہ کوئی قانون کام کر رہا ہوتا ہے جسے سائنس کی زبان میں علت و معلوم کا قانون (Law of Cause & Effect) کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ کسی درخت کی شاخ سے ایک پتہ بھی کسی قانون کے بغیر نہیں گرتا ہے۔ علم کائنات کے سربستہ رازوں کو انسان پر آشکار کرتا ہے اور اُن قوانین کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے جو تمام حرکات و سکنات کے پسِ پردہ کارفرما ہیں۔ چنانچہ علم کی بدولت انسان کے لیے مظاہر کائنات کی حقیقت کو سمجھ کر اُن پر تصرف کرنا اور اُنہیں اپنے لیے مفید بنانا آسان ہو جاتا ہے۔ جو اقوام آج ترقی کے بامِ عروج پر پہنچی ہوئی ہیں اور بحر و بر پر حکمرانی کر رہی ہیں اُن کے پیچھے یہی علم کی قوت ہے۔ سائنس کی تمام ایجادات علم ہی کے مرہونِ منت ہیں۔ یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ سائنس قوانین کو ایجاد نہیں کرتی بلکہ صرف اُنہیں دریافت کرتی ہے اور پھر اُنہیں استعمال میں لاتے ہوئے ترقی وارتقاء کا سفر طے کرتی ہے۔

علم اور تسخیرِ ذات

مندرجہ بالا پہلو علم کی افادیت کا خارجی پہلو ہے، جہاں تک اس کے داخلی پہلو کا تعلق ہے تو علم انسان کو کائنات کی تسخیر کے ساتھ ساتھ اپنی ذات کی تسخیر کا طریقہ بھی بتاتا ہے۔ جس طرح کائنات کا کارخانہ مخصوص قوانین کے تحت چل رہا ہے، اسی طرح خالقِ کائنات نے زندگی کی بقاء، ارتقاء اور نشو نما کے بھی قوانین بنا رکھے ہیں۔ عروج و زوال اور فنا و بقاء کو خاص ضابطوں کا پابند بنا رکھا ہے۔ علم کے ذریعے اُن قوانین کو جان کر زندگی کے معیار کو بہتر سے بہتر بنایا جا سکتا ہے اور کامیابی، ترقی اور عروج کی فطری خواہش کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ ہر انسان کے اندر ایک وسیع کائنات موجود ہے جہاں جذبات، خیالات، خواہشات، آرزوئیں، اُمنگیں اور تمنائیں ہیں۔ علم کے ذریعے اپنے من کی دنیا میں جھانک کر ان چیزوں کو نظم و ضبط کا پابند بنا کر اپنی شخصیت کو مہذب اور پاکیزہ بنایا جا سکتا ہے۔ شخصیت کے منفی رجحانات پر قابو پا کر مثبت رویوں کو پروان چڑھایا جا سکتا ہے اور اپنی ذات کو اتنا نفیس بنایا جا سکتا ہے کہ وہ دنیا کے باغ میں ایک پھول کی طرح ماحول کو معطر کرے، سورج کی طرح روشنی بکھیرتے ہوئے ماحول کو منور کرے اور مرنے کے بعد جنت کی حسین و جمیل وادیوں میں بسنے کے قابل ہو سکے۔ چنانچہ علم انسان کو دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں مطلوب اور پسندیدہ بنا دیتا ہے۔

علم اور اصلاحِ اخلاق

انسانی زندگی کا پہلا قانون ''دفع ضرر اور جلبِ منفعت ہے۔'' یعنی ضرر سے بچنا اور نفع کو حاصل کرنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی فطرت اور جبلّت میں یہ بات رکھ دی گئی ہے کہ وہ ہر قسم کے نقصان سے اپنے آپ کو بچانا چاہتی ہے اور ہر قسم کے فائدے کو حاصل کرنا چاہتی ہے۔ یہ تقاضا صرف انسان میں ہی نہیں بلکہ ہر ذی روح کے اندر اس طرح سمو دیا گیا ہے کہ وہ کسی حال میں اُس سے جدا نہیں ہو سکتا اور اس کے خلاف چلنا کسی کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔ دنیا کی بقا، ارتقا، اور نشو و نما کا تمام تر دار و مدار اسی قانون پر ہے۔

اس قانون کی مثالیں ہمیں جا بجا ملتی ہیں۔ مثلاً ایک دن کا پیدا ہونے والا شیر خوار بچہ جب بھوک محسوس کرتا ہے تو وہ اُس کے ازالے کے لیے کسی شے کی طلب کا اظہار کرتے ہوئے رونا شروع کر دیتا ہے حالانکہ وہ لفظِ بھوک سے آشنا بھی نہیں ہے۔ اسکی وجہ محض یہی ہے کہ بھوک کی حالت اُس کے لیے ضرر رساں اور نقصان دہ ہے، لہٰذا اُس کی فطرت اُسے اس حالت سے بچانا چاہتی ہے اور وہ اس حالت سے باہر آنے کے لیے دودھ یا کسی اور چیز کی طلب کرتا ہے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا ہاتھ اگر کہیں بے دھیانی میں آگ کی سمت بڑھنے لگے تو فوراً ہمارے ارادے کے بغیر ہی پیچھے ہٹتا ہے۔ ہماری آنکھوں میں اگر کوئی چیز پڑنے لگے تو وہ غیر ارادی طور پر چشمِ زدن میں بند ہو جاتی ہیں تاکہ ہر قسم کے نقصان سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔ یہ مثالیں اس حقیقت کو آشکار کرتی ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص ہر معاملے میں فطری اور جبلّی طور پر ہر قسم کے نقصان سے بچنا چاہتا ہے اور ہر قسم کے فائدے اور منافع کو اپنے لیے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

لیکن دوسری طرف روزمرہ کا مشاہدہ بتاتا ہے کہ لوگوں کی اکثریت شاہراہِ حیات پر سفر کرتے ہوئے تعمیر کو چھوڑ کر تخریب کی طرف چل پڑتی ہے اور بیسیوں ایسے کام کرتی ہے جو اُسے تباہی و بربادی کی طرف لے جانے والے ہوتے ہیں۔ مثلاً سگریٹ نوشی اور دوسرے نشہ جات کا استعمال، قتل، زنا، چوری، ڈکیتی، دوسروں کو ناحق ستانا اور اسی طرح کے بہت سے مذہبی، اخلاقی، سماجی و معاشرتی جرائم جن میں مبتلا ہو کر انسان دوسروں کو نقصان پہنچانے اور معاشرے کا امن و سکون تہس نہس کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی ذہنی و قلبی سکون و اطمینان سے محروم کر لیتا ہے اور دنیا و آخرت کی تباہیاں، بربادیاں، رسوائیاں اور ذلتیں خرید لیتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ انسان اپنی فطرت کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اُن کی

مخالف سمت میں چلتے ہوئے نفع کی بجائے نقصان کا سودا کیوں کر لیتا ہے اور کامیابی و کامرانی کے راستے کو چھوڑ کر ناکامی و نامرادی کے راستے پر چل کر اپنی منزل کو کھوٹا کیوں کر لیتا ہے؟ اس سوال کے جواب پر غور کرنے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسانی زندگی دو چیزوں سے عبارت ہے: ایک فکر اور دوسرا عمل۔

فکر اور عمل اگرچہ دو الگ الگ چیزیں ہیں مگر دونوں ایک دوسرے کے لیے ناگزیر اور لازم ہیں اور اسی طرح ملی ہوئی ہیں جیسے آگ کے ساتھ حرارت اور سورج کے ساتھ روشنی۔ ان دونوں میں تعلق یہ ہے کہ فکر مقدم ہے اور عمل مؤخر۔ انسان کا ہر عمل اُس کی فکر کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ہر چیز پہلے خیال اور فکر کی سطح پر نمودار ہوتی ہے اور پھر اُس کے بعد عمل کے سانچے میں ڈھلتی ہے۔ لہٰذا فکر اگر درست ہو گی تو عمل بھی درست ہو گا اور فکر غلط ہو گی تو عمل بھی غلط ہو جائے گا۔ لہٰذا عمل کو درست کرنا ہے تو پہلے فکر کو درست کرنا ہو گا۔ یہ فکر کی گمراہیاں ہیں جو انسان کو تعمیر کے راستے سے ہٹا کر تخریب کے راستے پر ڈال دیتی ہیں۔ تاریخِ انسانی میں جو بھی تخریب کاریاں، تباہیاں اور بربادیاں ہمیں دکھائی دیتی ہیں، وہ سب کی سب پہلے انسانوں کے اذہان میں جنم لیتی رہی ہیں اور پھر ہی عمل کا روپ دھارتی رہی ہیں۔ فکری گمراہیوں کا سبب ذہنی مغالطے، غلط فہمیاں اور توہمات ہیں جو حقیقت کے چہرے پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور انسان کو اشرف المخلوقات کے بلند ترین مقام سے نیچے گرا کر جانوروں کی سطح پر بلکہ بعض اوقات اس سے بھی نیچے لے آتے ہیں۔

جب انسان کو کسی بھی معاملے میں صحیح علم حاصل ہو جاتا ہے تو وہ لازماً عمل کا روپ دھارتا ہے جو کہ نیکی کی شکل بنتی ہے۔ اسکے برعکس کسی بھی معاملے میں جہالت سے انسان کے اندر توہمات اور غلط تصورات پیدا ہوتے ہیں جن سے غلط عمل جنم لیتا ہے جو بدی کی شکل بنتی ہے۔ انسانی فکر کو سنوارنے اور بگاڑنے میں علم کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔

علم اور اسلام

اسلام کا مقصد لوگوں کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے تاکہ وہ دنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل کر سکیں ۔ سطور بالا میں بتایا جا چکا کہ اصلاحِ اخلاق میں علم کا بہت اہم کردار ہے۔ چنانچہ اسلام نے علم کے حصول پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور اس کو اتنی اہمیت دی ہے جتنی دنیا کے کسی اور مذہب اور تہذیب میں نہیں دی گئی۔ قرآن مجید کی پہلی وحی کا آغاز ہی حصولِ علم کی تلقین سے ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کی متعدد آیات کریمہ میں جا بجا علم کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ قرآنِ مجید کے نزدیک علم سے بڑی فضیلت کوئی نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ علم کی اس فضیلت کے ضمن میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے اس سے مراد کون سا علم ہے؟ کیا محض قرآن و حدیث و فقہ وغیرہ کا علم مراد ہے یا سائنس ٹیکنالوجی اور دیگر دنیوی علوم بھی اس میں شامل ہیں؟

اس حوالے سے جاننا چاہئے کہ علم کی تقسیم در تقسیم کے نتیجے میں آج علم کی سیکڑوں شاخیں (Branches) معرضِ وجود میں آ چکی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہر آنے والے دن میں علوم و فنون کے نئے نئے گوشے آشکار ہو رہے ہیں اور یوں علوم کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی ہے مگر اس سے قطع نظر اسلام علوم کو بنیادی طور صرف دو اقسام میں تقسیم کرتا ہے:

۱۔ علمِ نافع ۲۔ علم غیر نافع

علم نافع (نفع دینے والا علم) سے مراد وہ علم ہے جو انسان کو فکری لغزشوں، گمراہیوں، توہم پرستی سے نکال کر حقیقت سے آشنا کر دے۔ اور غیر نافع (نفع نہ دینے والا علم) وہ ہے جو انسان کو شکوک و شبہات اور گمراہیوں کی دلدل میں ڈال کر حقیقت سے دور کر دے۔ حضور علیہ السلام علمِ نافع کے حصول کے لیے دُعا کیا کرتے تھے: اللھم انی أسألك علما نافعا۔

(سنن نسائی، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، رقم: ۶: ۳۱/۹۹۳۰)

اور دوسری طرف علم غیر نافع سے پناہ مانگا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذبك من علم لا ینفع۔

(ابن ماجہ، السنن، رقم: ۲۵۰، ۱/۹۲)

”اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اُس علم سے جو نفع نہ دے۔“

اسلام جہاں بھی علم کی بات کرتا ہے اُس سے مراد یہی علم نافع ہی ہے جس میں قرآن و حدیث تو سرِ فہرست ہیں تاہم سائنس و ٹیکنالوجی اور دیگر عصری علوم بھی درجہ بدرجہ شامل ہیں۔ اسلام کے نزدیک علمِ نافع وہ ہے جس کے ذریعے سے انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت تک پہنچ جائے۔۔۔ زندگی کے اسرار و رموز سے آگاہ ہو جائے۔۔۔ اور اُس علم کے مثبت اثرات خود اُس کی ذات اور کسی نہ کسی حد تک ماحول پر بھی دکھائی دیں۔ گویا اسلام کے نزدیک علم وہی ہے جو انسان کو خدا تک پہنچا دے۔۔۔ حقائقِ حیات سے آشنا کر دے۔۔ زندگی کی راہوں کو روشن کر دے۔۔۔ اور عمل کی جہات کو درست کر دے۔

جس علم میں مندرجہ بالا میں سے کچھ بھی نہ ہو تو وہ محض معلومات کا انبار ہے جو زندگی کو بوجھل بنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا۔ ایسے علم کو غیر نافع قرار دے کر اس سے پناہ مانگی گئی ہے۔

علم کا نفع بخش نہ ہونا دو جہات سے ہو سکتا ہے:

۱۔ علم نظریاتی طور پر غلط ہو اور اُس کے نتیجے میں انسان فکری گمراہیوں کا شکار ہو جائے، جن کا لازمی نتیجہ عملی گمراہیوں کی شکل میں نکلے گا۔

۲۔ علم کے غیر نفع بخش ہونے کی دوسری جہت یہ ہے کہ علم بذاتِ خود تو صحیح ہو لیکن وہ عمل کا روپ نہ دھار سکے۔

اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ انسان کا علم نظری اعتبار سے بھی صحیح ہونا چاہیے اور اُسے انسانی شخصیت میں اس طرح رچ بس جانا چاہیے کہ انسان اُس کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہو جائے اور یہی وہ علم ہے جو انسان کے اعمال اور اخلاق کو درست سمت میں گامزن کرنے میں بہت مؤثر کردار ادا کر سکتا ہے۔

خدا کو کیوں مانیں؟ مذہب کیوں اپنائیں؟

شہر اعتکاف 2024ء

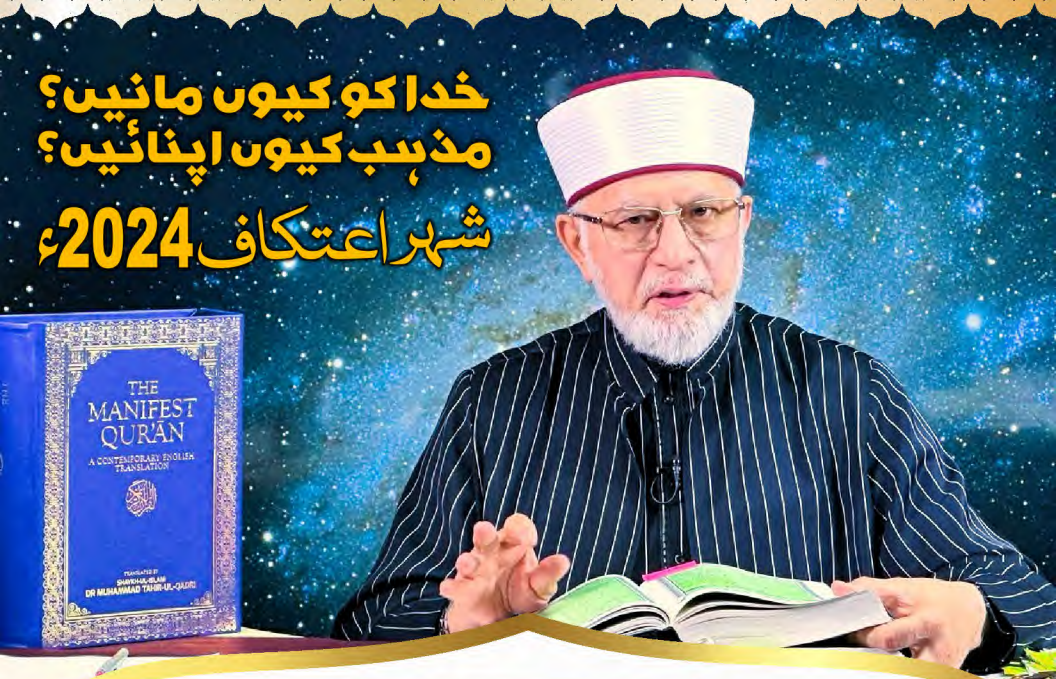

رپورٹ: محمد یوسف منہاجین، محبوب حسین

تحریک منہاج القرآن تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب، تہذیبِ اخلاق اور علمی، فکری اور روحانی تربیت کے ذریعے انفرادی و اجتماعی سطح پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی قیادت میں اصلاحِ احوال کے لیے مصروفِ عمل ہے۔ اس سلسلہ میں تحریک کی متعدد سرگرمیاں سال بھر جاری و ساری رہتی ہیں۔ ان تمام سرگرمیوں میں سے جامع المنہاج بغداد ٹاؤن میں قدوۃ الاولیاء حضور پیر سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی البغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی سرپرستی میں ہر سال آباد ہونے والا شہرِ اعتکاف اپنی مثال آپ ہے۔ اس اعتکاف میں شریک معتکفین کو تعلق باللہ، ربطِ رسالت، رجوع الی القرآن کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے اور ان کے ظاہری و باطنی احوال کی اصلاح کا سامان کیا جاتا ہے۔

امسال الحمدللہ تعالیٰ تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام 31 واں سالانہ شہر اعتکاف بسایا گیا۔ جس میں ملک کے طول و عرض اور بیرون ملک سے ہزارہا معتکفین اور معتکفات نے شرکت کی۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اس شہر اعتکاف میں ہر روز نمازِ تراویح کے بعد ”خدا کو کیوں مانیں اور مذہب کو کیوں اپنائیں؟“ کے موضوع پر خصوصی خطابات ارشاد فرمائے۔ ان خطابات میں شیخ الاسلام نے ایک طرف گمراہ کن فتنۂ اِلحاد (atheism)، لامذہبیت (agnosticism) اور دہریّت پر مبنی نظریات سے اُبھرنے والے سوالات کا تسلی بخش جواب دیا تو دوسری طرف دین گریز رُجحانات کی علمی و عقلی تردید کرتے ہوئے فلسفۂ توحید پر ایمان اَفروز، فکر انگیز اور پُر مغز کلام فرمایا۔

علاوہ ازیں شہرِ اعتکاف میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری (چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل) نے ”اصلاحِ احوال اور آدابِ زندگی“ کے موضوع پر تربیتی خطابات ارشاد فرمائے۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل کے صدر پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے ”تاریخ تصوف اور تعلیماتِ صوفیاء“ کے موضوع معتکفین سے اظہار خیال فرمایا۔ شیخ حماد مصطفیٰ المدنی القادری نے امسال پہلی مرتبہ شہر اعتکاف میں خطابات کئے اور ”راہِ محبت و شوق میں تعلق باللہ کے مختلف زاویے اور راستے“ کے فکر انگیز موضوع پر اظہار خیال کیا۔

اس شہر اعتکاف کی جملہ علمی، فکری اور روحانی سرگرمیاں www.minhaj.tv اور www.minhaj.org اور تحریک کے سوشل میڈیا پر موجود جملہ اکاؤنٹس سے براہ راست نشر کی گئیں۔ شہر اعتکاف کی اجمالی رپورٹ نذرِ قارئین ہے:

31 مارچ 2024ء کو شہرِ اعتکاف کے آغاز پر جملہ مرکزی قائدین نے معتکفین کو خوش آمدید کہا۔ بعد ازاں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری (چیئرمین سپریم کونسل MQI) نے ہزاروں معتکفین و معتکفات کو خوش آمدید کہا اور انھیں اعتکاف کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ رمضان المبارک کے اس مقدس مہینے میں دوزخ سے نجات کے عشرے میں حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جو لوگ شہر اعتکاف میں تشریف لائے ہیں، وہ اللہ کے مہمان ہیں۔ معتکف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے گناہوں کے خلاف ایک ڈھال اپنالی ہے کیونکہ اعتکاف کی بستی میں اللہ رب العزت معتکفین کو طہارت، تزکیہ اور تصفیہ کا لباس عطا فرماتا ہے اور یہ لباس گناہوں سے نجات عطا فرمانے کا لباس ہے۔ اس شہر اعتکاف کی فضا قیام اللیل، صیام النہار اور شیخ الاسلام کے ارشادات، تعلیمات، خطابات اور حضور قدوۃ الاولیاءؒ کی صحبت کے ذریعے مہکتی رہتی ہے۔ اس شہر اعتکاف میں تشریف لانے کا مقصد یہ ہے کہ جب آپ یہاں سے جائیں تو اجلا، چمکتا اور دمکتا ہوا اخلاق، کردار اور باطن لے کر جائیں اور اللہ رب العزت کی طرف سے بخشش و مغفرت کا پروانہ لے کر جائیں۔ معتکفین شیخ الاسلام کی تعلیمات اور ان کی طرف سے جاری کردہ تسبیحات، وظائف اور اذکار پر دن رات عمل پیرا رہیں۔ یہ دس دن اس انداز میں گزاریں کہ اگلے اعتکاف تک کے لیے یہ لمحات خیر و برکت کا باعث بن جائیں۔

بعد ازاں ناظم اعلیٰ محترم خرم نواز گنڈاپور نے استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے معتکفین کو خوش آمدید کہا اور شہر اعتکاف کے انتظامی امور پر بریفنگ دی۔

☆ تزکیہ نفس، فہم دین، اصلاح احوال، توبہ اور آنسوؤں کی بستی شہرِ اعتکاف میں جملہ عبادات نہایت محبت و عقیدت اور خلوص و احترام کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی ہر دو سطح پر ادا کی گئیں۔ اس

ایمان افروز روحانی ماحول میں نامور قراء حضرات اور ثناخوانان مصطفیٰ ﷺ نے معتکفین کے قلوب وارواح کو منور کرنے اور ان کی روحانی کیفیات کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔ شہر اعتکاف میں طاق راتوں کی مناسبت سے منعقدہ محافل میں تحفیظ القرآن انسٹی ٹیوٹ کے طلبہ، اساتذہ اور ایرانی قراء نے نہایت ہی خوبصورت لحن سے تلاوت قرآن کا شرف حاصل کیا۔ شیخ الاسلام نے جملہ قراء بالخصوص ایران سے تشریف لانے والے قراء کو قرآن مجید کی عالمی سطح پر عظیم الشان خدمات پر مبارکباد دی۔

☆ منہاج القران کا شہرِ اعتکاف بنیادی طور پر تعلیم و تعلم، درس وتدریس اور اخلاقی و روحانی تربیت کی ایک عظیم الشان درس گاہ ہے۔ جہاں ہر عمر کے لوگ بالخصوص نوجوان اصلاحِ احوال کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور اپنی ظاہری و باطنی طہارت و پاکیزگی کا اہتمام کرتے ہیں۔ شہرِ اعتکاف میں معتکفین کی علمی و فکری تربیت کے لئے باقاعدہ تربیتی وتدریسی حلقہ جات منعقد ہوئے، جن میں نظامت دعوت، نظامت تربیت اور نظامت ایجوکیشن اینڈ پروفیشنل ڈویلپمنٹ کے ناظمین اور سکالرز نے خدمات سرانجام دیں۔ ان حلقہ جات میں مذکورہ نظامتوں کی طرف سے تیار کئے گئے نصاب کے مطابق معتکفین کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا گیا۔ ان حلقہ جات کے نصاب میں قرآن مجید کی قرأت، نماز کو خشوع اور خضوع سے ادا کرنے کا طریقہ، پاکیزگی وطہارت اور جملہ معاشرتی ذمہ داریوں اور فرائض کے متعلق رہنمائی کے متعلق موضوعات شامل تھے۔

☆ شہر اعتکاف میں محترم مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی نے معتکفین کے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے فقہی مسائل پر ان کی رہنمائی کی۔

☆ شہر اعتکاف میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، شیخ حماد مصطفی المدنی، ناظم اعلیٰ خرم نواز گنڈاپور اور تمام نائب ناظمین اعلیٰ نے ملک بھر سے تشریف لانے والے تنظیمی صدور و ناظمین سے مختلف اوقات میں خصوصی نشستوں کا اہتمام کیا اور تحریک کی علمی، فکری، روحانی، اخلاقی اور فلاحی سرگرمیوں میں مزید بہتری لانے کے لئے تبادلۂ خیالات کیا گیا۔

☆ شہرِ اعتکاف میں منہاج یوتھ لیگ کے زیر اہتمام لیڈر شپ ڈویلپمنٹ ورکشاپس کا بھی اہتمام کیا گیا جن میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، شیخ حماد مصطفی المدنی اور تحریک، یوتھ لیگ اور نظامت دعوت وتربیت کے ناظمین نے نوجوانوں کو معاشرے میں مثبت کردار ادا کرنے اور علمی، فکری، اخلاقی اور روحانی تربیت کے حوالے سے اظہار خیال کیا۔

☆ شہرِ اعتکاف میں مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کے زیر اہتمام آغوش آڈیٹوریم میں شہر اعتکاف میں پاکستان بھر سے آئے ہوئے طلبہ کے لئے ”التربیہ سیشن“ کے عنوان سے خصوصی

تربیتی وتدریسی نشستوں کا الگ سے اہتمام کیا گیا، جن سے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، شیخ حماد مصطفی المدنی اور تحریک، MSM اور نظامت دعوت، تربیت اور نظامت ایجوکیشن اینڈ پروفیشنل ڈویلپمنٹ کے ذمہ داران نے خصوصی اظہار خیال کیا۔

☆ منہاج القرآن کے تعلیمی و تربیتی اداروں اور مختلف شعبہ جات کی کارکردگی کے حوالے سے بھی معتکفین کو بریفنگز دی گئیں کہ کس طرح یہ مرکزی شعبہ جات اور تعلیمی ادارہ جات معاشرے میں توازن واعتدال کو فروغ دینے اور قرآن مجید، احادیث نبویہ اور سیرتِ مصطفی ﷺ کے نور کو عام کرنے میں مصروفِ عمل ہیں۔

☆ حسبِ سابق ہزاروں خواتین بھی امسال شہر اعتکاف کا حصہ تھیں۔ ان خواتین کی علمی، فکری، اخلاقی، روحانی تعلیم و تربیت کے لیے تعلیمی و تربیتی نشستوں کا اہتمام کیا گیا۔ صدر منہاج القرآن ویمن لیگ انٹرنیشنل محترمہ ڈاکٹر غزالہ حسن قادری، محترمہ فضہ حسین قادری، محترمہ فرح ناز، محترمہ سدرہ کرامت اور منہاج القرآن ویمن لیگ کی مرکزی عہدیداران معتکفات کی علمی، فکری، اخلاقی اور روحانی تربیت میں مصروفِ عمل رہیں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری، ڈاکٹر حسن محی الدین قادری اور ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے ویمن عتکاف گاہ میں منعقدہ علمی و فکری اور روحانی و اخلاقی نشستوں میں خصوصی شرکت کی اور اظہار خیال فرمایا۔ انھوں نے منہاج القرآن ویمن لیگ کی جملہ عہدیداران اور اعتکاف میں شریک ہزارہا خواتین کو خصوصی مبارکباد دی اور دعاؤں سے نوازا۔

☆ امسال بھی منہاج القرآن ویمن لیگ کے ذیلی فورم ایگرز کے زیر اہتمام کڈز اعتکاف کا الگ سے اہتمام کیا گیا جس میں 7 سال سے لے کر 10 سال کی عمر تک کے بچوں اور بچیوں نے خصوصی شرکت کی۔ اس موقع پر ان بچوں کی اخلاقی وروحانی تعلیم و تربیت کا بھی بالخصوص اہتمام کیا گیا۔

☆ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور صاحبزادہ شیخ حماد مصطفی المدنی القادری نے مرکزی قائدین کے ہمراہ شہرِ اعتکاف کے متعدد حلقہ جات کا دورہ کیا اور معتکفین سے ان کے حلقہ جات میں انفرادی طور پر ملاقاتیں کیں۔

☆ سانحہ ماڈل ٹاؤن کے شہدا کے ورثاء کے اعزاز میں منہاج القرآن کے شہر اعتکاف میں افطار ڈنر کا اہتمام کیا گیا اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی طرف سے ہر سال کی طرح اس سال بھی شہدا کے بچوں اور لواحقین کو عید کے تحائف دیے گئے۔ شیخ حماد مصطفی المدنی القادری، ناظم اعلیٰ خرم نواز گنڈاپور اور مرکزی قائدین نے شہداء کی خاندانوں سے خصوصی ملاقات کی اور ان کے جذبہ ایثار اور استقامت کو خراج تحسین پیش کیا۔

☆ زندگی کے مختلف شعبہ جات اور ہر طبقہ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد میں سے کثیر افراد نے ہر روز شہر اعتکاف کا دورہ کیا۔ ان میں علماء، مشائخ، سیاستدان، وکلاء، صحافی حضرات، اساتذہ اور طلبہ نمایاں ہیں۔ بالخصوص علماء و مشائخ کی ایک کثیر تعداد محترم علامہ امداد اللہ قادری، محترم علامہ میر آصف اکبر اور منہاج القرآن علماء کونسل کی دعوت پر شیخ الاسلام کے خطابات کو سننے کے لیے خصوصی طور پر تشریف لاتی رہی۔ ان مہمانان گرامی نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے خطابات سماعت کئے اور شہر اعتکاف کے مختلف گوشوں اور تربیتی حلقہ جات کا دورہ کیا۔ ان مہمانان گرامی نے اپنے اظہار خیال میں اس امر کا برملا اظہار کیا کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اسلام اور پاکستان کا ایک پڑھا لکھا چہرہ ہیں، جو پاکستان سمیت پوری دنیا میں اسلام کا پرامن چہرہ پیش کر رہے ہیں۔ اسلام بالخصوص نوجوانوں کے اخلاق و کردار کی تعمیر کے لیے ان کی مساعی قابل تحسین ہیں۔ منہاج القرآن کے شہر اعتکاف میں شریک ہو کر اندازہ ہوا کہ یہاں تعلیم بھی ہے اور تربیت بھی ہے اور معتکفین کے شب روز عبادت و ریاضت اور تعلیم و تعلم میں بسر ہو رہے ہیں۔ ہمیں شیخ الاسلام کے خطابات سن کر بے حد مسرت ہوئی کہ آپ نوجوانوں کے کردار و اخلاق کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ان کے ایمان اور عقیدے کو بھی مضبوط بنا رہے ہیں اور قرآن مجید اور سائنس کا جو ربط قائم کر رہے ہیں وہ منفرد اور وقت کی ضرورت ہے۔

☆ شہرِ اعتکاف میں مرکز، مرکزی تعلیمی ادارہ جات، ملکی تنظیمات اور بیرون ملک خدمات سرانجام دینے والے عہدیداران و کارکنان اور تنظیمات میں سے غیر معمولی کارکردگی کے حامل افراد کو شہر اعتکاف میں اعزازات سے بھی نوازا گیا۔ اس موقع پر ڈائریکٹر انٹرفیتھ ریلیشنز محترم سہیل احمد رضا اور منہاج یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ہرمن (ہیڈ سکول آف ریلیجنز منہاج یونیورسٹی) کو ان کی اعلیٰ کارکردگی پر گولڈ میڈل سے نوازا گیا۔ علاوہ ازیں گلف کی تنظیم اور چوہدری منیر احمد گجر (کویت) اور اُن کی ٹیم کو ان کی اعلیٰ خدمات پر شیلڈز سے نوازا گیا۔ چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، شیخ حماد مصطفی المدنی القادری نے ناظم اعلیٰ خرم نواز گنڈاپور کے ہمراہ مذکورہ قائدین، عہدیداران اور تنظیمات کو گولڈ میڈلز اور شیلڈز سے نوازا۔

☆ شیخ الاسلام نے MQI منہاج دعوہ پروجیکٹ (UK) کو تمام خطابات کی انگلش سب ٹائٹلنگ کرنے پر خصوصی مبارکباد دی۔

☆ شیخ الاسلام نے منہاج یونیورسٹی لاہور کو ملکی اور بین الاقوامی تعلیمی اداروں میں اعلیٰ امتیاز حاصل کرنے پر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، وائس چانسلر ڈاکٹر ساجد محمود شہزاد کو خصوصی مبارکباد

دیتے ہوئے کہا کہ دنیا کی یونیورسٹیز کی رینکنگ کا تعین کرنے والے ادارے امریکہ، یورپ اور ترکی میں ہیں، ان کی حیثیت ثقہ ہوتی ہے۔ دنیا کے بین الاقوامی ادارے ان کی بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ادارے کوالٹی آف ایجوکیشن، انفراسٹرکچر اور کئی امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے فیصلہ کرتے ہیں۔ HE Ranking (ترکیہ) کا بین الاقوامی ادارہ ہے، اس نے پوری دنیا میں منہاج یونیورسٹی کو 118 واں نمبر دیا ہے۔ اسی ادارے نے پاکستان کی 200 یونیورسٹیز میں منہاج یونیورسٹی کو 11 واں نمبر اور لاہور کی یونیورسٹیز میں سے منہاج یونیورسٹی کو دوسرا نمبر دیا ہے۔ میں منہاج یونیورسٹی اور ان کی تمام فیکلٹی کو صمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

☆ ہر سال ماہ اپریل کا پہلا اتوار تحریک منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے سینئرز ممبرز ڈے کے طور پر منایا جاتا ہے۔ جس میں وہ سینئر افراد جنھوں نے تحریک کے اوائل دور میں قربانیاں دیں، ان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ شہر اعتکاف میں اس خاص دن کی مناسبت سے سینئرز ممبران تحریک کو خصوصی پروٹوکول دیا گیا اور انھیں سٹیج کی زینت بنایا گیا۔ اس موقع پر ناظم اعلیٰ خرم نواز گنڈا پور نے تحریک کے دیرینہ رفقاء اور زندگی کا بیشتر حصہ تحریک اور دین کی خدمت میں جانثاری اور محبت کے ساتھ بسر کرنے والے احباب کو خوش آمدید کہا اور ان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ شیخ الاسلام نے اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ حضور علیہ السلام اور قرآن مجید کی سنت کے مطابق السابقون الاولون کو خراج تحسین دینے کا دن ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی قربانیوں سے اس تحریک کی بنیاد رکھی، اپنے وسائل خرچ کیے اور میرے دست و بازو بنے۔

☆ امسال شہر اعتکاف کی خاص بات یہ بھی کہ گزشتہ سالوں کی نسبت کہیں بڑھ کر اس شہر اعتکاف میں نوجوانوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور 40% خواتین اور 30 فیصد مرد حضرات ایسے تھے جنھوں نے پہلی مرتبہ اس شہر اعتکاف میں شرکت کی۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ان تمام نوجوانوں اور پہلی مرتبہ شریک ہونے والے معتکفین کو خصوصی مبارکباد دی۔

☆ شیخ الاسلام نے علامہ رانا محمد ادریس قادری (نائب ناظم اعلیٰ دعوت و تربیت) اور نظامتِ دعوت کے جملہ ناظمین کو رمضان المبارک کے دوران ملک بھر میں 5 روزہ کامیاب دروس عرفان القرآن کے انعقاد پر مبارکباد دی۔

☆ گزشتہ چند ماہ میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری اور ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے ملک کے مختلف حصوں میں کامیاب تعلیمی اور تنظیمی دورہ جات کیے۔ ان کامیاب دورہ جات کے انعقاد اور پورے ملک میں تحریک کی جملہ علمی، فکری، اخلاقی اور روحانی سرگرمیوں کے منظم انداز میں جاری رکھنے پر شیخ

الاسلام نے نائب ناظمین اعلیٰ محمد رفیق نجم، رانا محمد ادریس، سردار محمد شاکر مزاری، احمد نواز انجم، مظہر محمود علوی، محمد عرفان یوسف اور متعلقہ تنظیمات کو خصوصی مبارکباد دی کہ جن کی کاوشوں سے تجدید دین، احیائے اسلام اور اصلاح احوال کے مصطفوی مشن کا پیغام لوگوں تک پہنچ رہا ہے۔

☆ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے نائب ناظم اعلیٰ میڈیا افیئرز محترم نوراللہ صدیقی، ڈائریکٹر منہاج TV احسن بابا، ڈائریکٹر IT ثناء اللہ اور ان کی جملہ ٹیم کو مبارکباد دی جن کی کاوشوں سے شہر اعتکاف کے یہ علمی و فکری خطابات پوری دنیا تک پہنچے۔

☆ شیخ الاسلام نے عبدالستار منہاجین (ڈائریکٹر MIB) کو مبارکباد دی جنھوں نے شیخ الاسلام کے خطابات کے دوران مختلف سائنسی حقائق کو معتکفین کے لیے سکرین پر دکھانے کے لیے سلائیڈز تیار کیں۔

☆ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ناظمِ تربیت علامہ غلام مرتضیٰ علوی اور نظامتِ ایجوکیشن اینڈ پروفیشنل ڈویلپمنٹ کے ناظم علامہ سعید رضا بغدادی اور اُن کی ٹیم کو بھی پاکستان بھر میں کامیاب تعلیمی و تربیتی کورسز کے انعقاد پر بالعموم اور شہر اعتکاف میں معتکفین کی تربیت میں اہم کردار ادا کرنے پر بالخصوص مبارکباد دی۔

☆ منہاج القرآن کے زیر اہتمام اس شہرِ اعتکاف میں شریک اندرون و بیرون ملک سے ہزارہا معتکفین اور معتکفات کی رہائش اور سحر و افطار اور دوران اعتکاف بنیادی سہولیات کی فراہمی کے خصوصی انتظامات کیے گئے۔ شہر اعتکاف کے جملہ انتظامات نائب صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل محترم بریگیڈیئر (ر) اقبال احمد خان، ناظم اعلیٰ محترم خرم نواز گنڈاپور اور نائب ناظمِ اعلیٰ محترم محمد جواد حامد کی زیر نگرانی قائم 52 کمیٹیوں میں شامل سیکڑوں ممبران نے سرانجام دیئے۔ علاوہ ازیں جملہ نائب ناظمین اعلیٰ اور جملہ سربراہان شعبہ جات، جملہ سربراہان مرکزی تعلیمی ادارہ جات، منہاج ٹی وی، سوشل میڈیا سیل، منہاج انٹرنیٹ بیورو اور دیگر شعبہ جات اور نظامتوں میں سے ہر ایک نے اپنے ذمہ عائد ذمہ داریوں کو احسن طور پر نبھایا اور اس سالانہ شہر اعتکاف کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے مذکورہ قائدین اور ان کے زیر انتظام قائم جملہ کمیٹیوں کے ممبران کو اعلیٰ انتظامات پر مبارکباد دی اور دعاؤں سے نوازا۔

27ویں شبِ رمضان عالمی روحانی اجتماع

سالانہ عالمی روحانی اجتماع 2024ء

تحریک منہاج القرآن کے شہر اعتکاف میں 27 ویں شب رمضان، لیلۃ القدر کا عالمی روحانی اجتماع جامع المنہاج بغداد ٹاؤن لاہور میں منعقد ہوا۔ شہر اعتکاف میں جملہ شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے نمایاں افراد بالخصوص علماء و مشائخ کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ علاوہ ازیں ہزاروں معتکفین و معتکفات اور ملک بھر سے عشاقان مصطفیٰ کی بڑی تعداد بھی عالمی روحانی اجتماع میں شریک تھی۔ چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، شیخ حماد مصطفی المدنی القادری، ناظم اعلیٰ خرم نواز گنڈاپور، نائب صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل بریگیڈیئر (ر) اقبال احمد خان، محترم ڈاکٹر جسٹس نذیر احمد غازی، محترم پروفیسر فہد علی کاظمی ہر طبقہ زندگی سے تعلق رکھنے والی نمایاں شخصیات، جملہ مرکزی نائب ناظمین اعلیٰ، ناظمین، سربراہان فورمز و شعبہ جات اور رفقاء و کارکنان تحریک بھی اجتماع میں شریک تھے۔ قراء حضرات نے تلاوتِ قرآن اور نعت خوانان نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ نقابت کے فرائض صفدر علی محسن نے سرانجام دیئے۔

☆ عالمی روحانی اجتماع سے محترم جسٹس نذیر احمد غازی نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ نوجوانوں کے اخلاق بگاڑے جا رہے تھے، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ انہوں نے نوجوانوں کی علمی و فکری تربیت کی اور انہیں حسنِ اخلاق کا سبق دیا۔ وہ وقت دور نہیں جب ان کی کاوشوں سے اسلام کا پرچم پوری دنیا میں لہرائے گا۔ این مری شمل ایک بہت بڑی جرمن سکالر ہیں۔ وہ علامہ محمد اقبال کے بارے میں کہتی ہیں کہ ”مسلمانوں کے ہاں یہ تصور ہے کہ اب وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور جبریل نے نہیں آنا لیکن میرا وجدان کہتا ہے کہ جبرائیل کے پروں نے گزرتے ہوئے علامہ اقبال کو ضرور چھوا ہے۔“ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جبرائیل کے پر نے ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کو بھی کہیں چھوا ہوا ہے۔ اس لئے کہ اتنا بڑا کام کوئی بغیر ایسی قوت کے نہیں کر سکتا۔ ہم نے بھی کتابیں پڑھی ہیں، ہم بھی ایک زمانے سے علم کی دنیا میں لگے ہوئے ہیں لیکن اس ایک شخص نے اتنا بڑا کام کر کے ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ دنیا میں حسنِ اتفاق کوئی چیز نہیں۔ یہاں صرف دو چیزیں ہیں: ۱۔ اللہ تعالیٰ کا حسنِ انتظام۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کا حسنِ انتخاب۔ سید عالمین ﷺ کی محبت جس جس کشکول میں اور جس جس دل میں جاتی ہے، وہ پہلے سے منتخب شدہ لوگ ہیں اور ڈاکٹر صاحب ان میں سے ایک ہیں۔ اس اعتکاف کے موقع پر شیخ الاسلام کے خطابات سن کر ہر شخص کو فخر محسوس ہو رہا ہے کہ ہم ساری امتوں میں سے بہترین امت ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تعلیمات کی اس دور میں اسلام کو ضرورت ہے۔ آج پوری دنیا میں اسلام کے سب سے بڑے وکیل کا نام ڈاکٹر طاہر القادری ہے۔ دین اسلام کو اچھے وکیلوں کی ضرورت ہے اور منہاج القرآن یہ کمی پوری کر رہا ہے۔ اس موقع پر انھوں نے تمام شرکاء سے کہا کہ تمام لوگ کھڑے ہو کر ان کی علمی و دینی خدمات کو سلام پیش کریں۔

☆ عالمی روحانی اجتماع کے موقع پر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کو ان کی عظیم خدمات کے اعتراف میں منہاج القرآن انٹرنیشنل اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی طرف سے Global achievement award سے نوازا گیا۔ شیلڈ کی صورت میں یہ ایوارڈ روحانی اجتماع میں شریک معزز مہمانان گرامی نے ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کو پیش کیا۔

خطاب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
(موضوع: حضرت بِشر الحافی سے ملاقات)

عالمی روحانی اجتماع کے موقع پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ”حضرت بشر الحافیؒ سے ملاقات“ کے موضوع پر قرآن مجید کی درج ذیل آیت مبارکہ کو موضوع گفتگو بناتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (الانعام: ۱۲۲)

”بھلا وہ شخص جو مردہ (یعنی ایمان سے محروم) تھا پھر ہم نے اسے (ہدایت کی بدولت) زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے (ایمان و معرفت کا) نور پیدا فرما دیا (اب) وہ اس کے ذریعے (بقیہ) لوگوں میں (بھی روشنی پھیلانے کے لیے) چلتا ہے اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ (وہ جہالت اور گمراہی کے) اندھیروں میں (اس طرح گھرا) پڑا ہے کہ اس سے نکل ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح کافروں کے لیے ان کے وہ اعمال (ان کی نظروں میں) خوشنما دکھائے جاتے ہیں جو وہ انجام دیتے رہتے ہیں۔“

اللہ رب العزت نے اس آیت مبارکہ میں ایک بڑی خوبصورت بات ایک مثال کے ذریعے دو قسموں کے لوگوں کا موازنہ کر کے بیان فرمائی ہے۔ آج کی شب ہم بھی ایک ایسے ہی شخص سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں جو اللہ کے نور کو بانٹتا تھا اور زمانوں تک اس کے بانٹے ہوئے نور سے لوگوں کے دل روشن ہوتے رہے۔ ان کا نام حضرت بشر الحافیؒ ہے۔

ایمان ایک بیج کی طرح ہے جو دل کی زمین پر بویا جاتا ہے۔ یہ خود بخود پروان نہیں چڑھتا اور پھل دار نہیں بنتا، بلکہ ایمان کی مضبوطی و پختگی کے سارے مرحلے اندرونی و بیرونی کوشش کے محتاج ہوتے ہیں۔ ایمان بیج کی طرح ہمارے دلوں میں آجاتا ہے لیکن ایمان کے پودے کو پھل دار بنانے کے لیے مسلسل محنت درکار ہوتی ہے۔ اگر ہم ہر قدم پر اِس کی حفاظت نہیں کریں گے تو پھر ہم اِس کے پھل سے محروم ہو جائیں گے۔ ہم اِس غلط فہمی میں ہیں کہ چونکہ ہم مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے ہیں، اس لیے ہمارے ایمان کا بیج خود بخود پھل دار بن جائے گا۔ نہیں، ایسا نہیں ہوتا۔ ہمیں ہر وقت ایمان کے اس پودے کی حفاظت کی ضرورت رہتی ہے۔ نیکیوں، اَعمالِ صالحہ، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، تلاوت قرآن اور سنتِ مصطفیٰ ﷺ کی پیروی سے ایمان کی حفاظت کرنا ہو گی۔ نیک اَعمال ایمان کے محافظ اور promoter ہیں، اَعمالِ صالحہ سے ایمان کی افزائش (growth) ہوتی ہے۔

یہ تصور غلط ہے کہ ”پردہ دل کا ہونا چاہیے، آنکھ کا کیا ہے۔ طہارت دل کی ہونی چاہیے، باہر کی طہارت کا کوئی معنی نہیں۔ سچائی دل کی ہونی چاہیے، میں دل کا مسلمان ہوں۔“ یہ کلمات اور سوچ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف بغاوت ہے۔ کوئی شخص جس کے ظاہر میں کفر ہے، وہ دل کا مومن نہیں ہو سکتا۔ جس کے ظاہر میں فسق و فجور ہے، وہ دل کا صالح نہیں ہو سکتا۔ جس کے ظاہر میں گندگی و غلاظت ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کی مخالفت ہے، اس کا دل اور باطن کبھی پاکیزہ اور ستھرا نہیں

ہو سکتا۔ یہ تصور Godless فکر اور سوچ کا دیا ہوا ہے کہ زندگی میں ہر لمحہ حرام کماتے اور کھاتے رہیں اور پھر اسے اپنا پرائیویٹ معاملہ قرار دے دیں۔ ظاہر اور باطن کے اپنے اپنے فوائد ہوتے ہیں۔ اَعمالِ صالحہ نہ کرنا اور اِسے اپنا اور رب کا معاملہ قرار دینا بالکل غلط تصور ہے۔ یہ اِیمان کو کفر اور اِلحاد کی طرف لے جانے والی فکر ہے۔ جس طرح کسی پھل کے ظاہر یعنی اس کے چھلکے کو اتار کر پھینک دیا جائے تو اس کا گودا (اندرونی حصہ) کچھ گھنٹوں بعد خراب ہو جاتا ہے، اِسی طرح اگر ایمان کے ظاہر کی حفاظت نہیں کریں گے تو اس کا گودا یعنی ہمارا باطن بھی درست نہیں رہے گا۔ ہمیں ہر وقت نیک اعمال کے ذریعے ایمان کے ظاہر اور باطن دونوں کی حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایمان کے معاملے میں انسان کا کوئی معاملہ ذاتی نہیں رہتا۔ ہر معاملہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے اَحکامات کے تابع ہو گا تو ایمان محفوظ رہے گا۔ کفر غیر شعوری طور پر، لاشعوری طور پر ہماری سوچوں، فکر، عمل اور زندگی میں داخل ہو رہا ہے اور داخل کیا جا رہا ہے۔ کہیں privacy کے نام پر، کہیں personal freedom (ذاتی آزادیوں) کے نام پر۔ یہ طرح طرح کے عنوانات گمراہی ہیں، لہذا ایمان کی حفاظت اسی وقت ہوتی ہے جب ظاہر و باطن دونوں میں اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے احکام کا نفاذ ہو اور پھر اس کی quality کو improve کیا جائے۔

حضرت بشر حافی سے دعا کی قبولیت کا راز پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی نافرمانی چھوڑ دینے کا نام دعا ہے۔ یعنی اگر بندہ صرف گناہ اور اللہ کی نافرمانی چھوڑ دے تو وہ نہ بھی مانگے، تب بھی اللہ بن مانگے اسے عطا کرتا ہے۔ اللہ دیکھتا ہے کہ یہ بندہ میری رضا کی خاطر میری نافرمانی و گناہ چھوڑ گیا ہے، بس اس کے ترک کرنے پر اللہ اس کو عطا کر دے گا۔

آپ سے پوچھا گیا کہ اگر ایک گنہگار اطاعت کی طرف جانا چاہے تو اس کا راز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ بہت بڑی اطاعت نہیں کر سکتا تو وہ صرف گناہ ہی چھوڑ دے۔ یہ اس کی سب سے بڑی نیکی ہو گی۔ گویا جب بندہ اللہ کی نافرمانی ترک کر دیتا ہے تو یہ عمل خود اتنی بڑی نیکی ہے کہ اللہ رب العزت اس بندے کو اطاعت گزار بندوں میں شامل کر دے گا۔ اطاعت کی وادی میں داخل ہونے کے لیے سب سے بڑی چابی معصیت اور گناہ کو ترک کرنا ہے۔

اللہ کی حرام کردہ تمام اشیاء کو ترک کر دینا اور اپنی زندگی کو ہر حرام سے پاک کر لینا حقیقی تقویٰ ہے۔ شریعت کے اَحکام کی حفاظت کرنا مسلمانی ہے اور شریعت کے آداب کی حفاظت کرنا تقویٰ ہے۔ خود کو ہر اُس شے سے بچائیں جو آپ کے دل و دماغ میں فسق و فجور ڈالے اور آپ کو اللہ اور اُس کی یاد سے دور کرے۔ حضور غوث الاعظمؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے کہ انسان اُس جگہ نہ ہو جہاں خدا اُسے دیکھنا

نہیں چاہتا، اور ہر اُس جگہ موجود ہو جہاں خدا اُسے دیکھنا چاہتا ہے۔

علم بیان کرنے کے لیے نہیں بلکہ عمل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو علم عطا کیا اور انہوں نے اِس علم کے ذریعے اِنسانیت کی رہنمائی فرمائی۔ جو شخص آخرت کے عمل سے دنیا کمائے، اس سے قبیح عمل کوئی نہیں۔ جو شخص نیک اَعمال اِس نیت سے کرے کہ وہ پہچانا جائے، اِس سے بری نیت کوئی نہیں۔ جو اپنے علم کے ذریعے یہ خواہش رکھے کہ وہ پہچانا جائے اور اسے عزت و تکریم ملے، وہ نیک اَعمال کی لذت نہیں پا سکتا۔ اگر نیک اعمال کی لذت پانا چاہتے ہو تو ہر چیز سے بے نیاز ہو جاؤ۔ اپنی نیکیوں کو اُسی طرح چھپاؤ جیسے اپنے گناہوں کو چھپاتے ہو۔ جب آپ سنگتیں اور دوستیاں بناتے ہیں تو دیکھیں کن دوستیوں اور سنگتوں سے دل سخت ہوتا جا رہا ہے اور دین کی محبت کم ہوتی جا رہی ہے تو فوراً ایسی مجلس چھوڑ دیں۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید کے جملہ اَحکامات میں توبہ، ایمان اور عملِ صالح کو جوڑا ہے۔ عمل اور شے ہے اور تقریر اور شے۔ اگر دین عمل میں نہیں ڈھلا تو پھر کسی تقریر کا دنیا اور آخرت میں کوئی فائدہ نہیں۔ آج اکثر واعظین کا حال یہ ہے کہ تقریر میں عمدہ فضائل بتاتے ہیں مگر اپنے عمل میں بدزبانی پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ تقریر میں اچھے اخلاق کا پرچار کرتے ہیں مگر معاملات میں بد اَخلاقی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ قول و عمل کے اس تضاد سے معاشرے میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں آسکتی۔

حضرت بشر الحافی کچھ لوگوں کے ہمراہ قبرستان میں داخل ہونے لگے تو آپ رک گئے اور فرمانے لگے کہ یہ جو مردے آپ کو قبرستان میں نظر آرہے ہیں، ان سے عدد میں کہیں زیادہ مردے قبرستان سے باہر زندہ دنیا میں پھرتے ہیں مگر جسم ان کے زندہ ہیں۔ لوگوں نے وضاحت پوچھی تو فرمایا کہ مردوں اور زندوں کا فرق جاننا ہے تو چلتے پھرتے زندہ جسموں کو زندہ نہ جانو اور قبروں میں لیٹے ہوئے مرحومین کو مردہ نہ جانو۔ تمہارے لیے یہ بات کافی ہے کہ ایسے لوگ جو وفات پا گئے اور ہمیں جسمانی طور پر دکھائی نہیں دیتے مگر ان کا ذکر کرو تو دل زندہ ہو جاتے ہیں، اصل زندہ وہ لوگ ہیں۔ یعنی جن کی یاد سے لوگوں کے دل زندہ ہو جائیں، جن کے ذکر سے مردہ دلوں کو حیات مل جائے، اصل میں وہ زندہ ہیں اور ایسے لوگ جو دنیا میں زندہ پھرتے ہیں مگر ان کی صحبت اور دوستی اختیار کرنے سے دل مردہ اور سخت ہو جاتے ہیں، وہ مردہ ہیں۔ گویا آپ نے صحبت اور سنگت اور دوستی کا پیمانہ مقرر کر دیا۔

شہرِ اعتکاف میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے خطابات

شہرِ اعتکاف میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ”خدا کو کیوں مانیں اور مذہب کو کیوں اپنائیں؟“ کے موضوع پر خطابات ارشاد فرمائے۔ امسال شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے خطابات کی انفرادیت یہ تھی کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر سائنسی حقائق کو بیان کرتے ہوئے باقاعدہ طور پر نہایت ہی خوبصورت نظم کے ساتھ ان سائنسی انکشافات کو تصویری صورت میں بھی سکرین پر دکھانے کا اہتمام فرمایا جس سے یہ مشکل ترین موضوع ہر ایک کے لیے سمجھنا نہایت آسان ہو گیا۔ ان خطابات کے خلاصہ جات نذرِ قارئین ہیں:

ا۔ موضوع: اِیمان بالغیب، قرآن اور سائنس

۲۱ ویں شب رمضان / 31 مارچ 2024ء شہر اعتکاف کی پہلی نشست سے ”ایمان بالغیب، قرآن اور سائنس“ کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ (لقمان، ۳۱: ۲۰)

”(لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لیے ان تمام چیزوں کو مسخّر فرما دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔اور لوگوں میں کچھ ایسے (بھی) ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب (کی دلیل) کے۔“

اس آیت مبارکہ میں واضح فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی ذات اور اس کے وجود اور اس کی ذات وصفات کے بارے میں جھگڑا کرنے والوں کے پاس ان تین بنیادی دلائل میں سے کوئی ایک دلیل بھی نہیں۔ نہ ان کے پاس آسمان سے اتری ہوئی روشن کتاب ہے کہ اس سے راہ حق کو پالیں، نہ ان کے پاس واضح ہدایت اور قطعی دلیل ہے اور اور نہ ان کے پاس علم، دانش اور تحقیق کی دولت ہے۔ گویا پیغام یہ دیا گیا کہ لوگ اللہ کے بارے میں اپنے گمان، ظن اور تخمینہ سے کام نہ لیں بلکہ علم، تحقیق، دانش، ہدایت، ضابطہ اور روشنی کی بنیاد پر اس کو تلاش کریں اور اس تک پہنچیں۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (صٓ: ۲۹)

”یہ کتاب برکت والی ہے۔ جسے ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے تاکہ دانشمند لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور نصیحت حاصل کریں۔“

اللہ رب العزت نے دراصل ان آیات کے ذریعے یہ پیغام دیا کہ جسے اللہ کو جاننا ہو اور اللہ کا پتہ معلوم کرنا کہ اللہ کہاں ہے؟ وہ موجود ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کہاں ہے؟ اس کو کیوں مانیں؟ اس کے بھیجے ہوئے دین و مذہب کو کیوں اپنائیں؟ جسے یہ جاننا ہو تو وہ دائیں بائیں کسی سمت نہ دیکھے اور مفروضات اور گمانوں پر کبھی بھروسہ نہ کرے بلکہ سیدھا اس مبارک کتاب کی طرف آجائے، اسے اللہ کا پتہ اسی کتاب کی آیات کے اندر سے مل جائے گا۔

اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر خدا ہے تو اس کا پتہ کیا ہے؟ وہ کہاں ہے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ پتہ اس کا ہوتا ہے، جو ایک جگہ موجود ہو۔ جو ہر جگہ موجود ہو اور ساری کائنات جس کے احاطہ میں ہو، اس کا مخصوص پتہ نہیں ہوتا۔ جس طرح کا پتہ ہم جاننا چاہتے ہیں، اس طرح کا پتہ اس کا نہیں ہے۔ جس طرح ہوا کا پتہ نہیں کہ کہاں سے آتی ہے، کہاں رہتی ہے؟ مگر چونکہ اس کی موجودگی سے ہم ہیں، اس لیے معلوم ہوا کہ وہ ہے۔ جس طرح روشنی کا پتہ نہیں کہ کہاں رہتی ہے مگر یہ ہر طرف ہے۔ اسی طرح اللہ بھی ہر طرف ہے۔ کھربوں کہکشاؤں سے اللہ وسیع ہے۔ یہ کائنات اس قابل نہیں کہ وہ اللہ کا پتہ بتائے مگر جب اس کائنات میں غور و فکر کریں گے تو وہ اللہ کی موجودگی کا اعلان کرتی نظر آتی ہیں۔

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ دین تو انسان کی آنکھیں بند کر دیتا ہے، وہ جن باتوں پر ایمان لانے کا کہتا ہے، وہ تو دکھائی نہیں دیتیں۔ لہذا جو نظر نہیں، آتے ان کو کیسے مان لیں؟ یاد رکھیں! ایمان بالغیب سے ہدایت کا راستہ نکلتا ہے۔ غیب کا معنی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ غیب غیر موجود کو نہیں کہتے بلکہ ہر وہ شے جو موجود تو ہو مگر مشہود نہ ہو یعنی دکھائی نہ دے سکے اسے غیب کہتے ہیں۔ اس لیے کہ ہماری دیکھنے کی حد ہے، ہم محدود ہیں۔ اس لیے اس لامحدود کو دیکھ نہیں سکتے۔ ایمانیات (ارکان ایمان) موجود ہیں مگر ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔ ان کی موجودیت کائنات کی ہر شے سے زیادہ پختہ ہے۔ کسی شے کو ماننے کے دو طریقے ہیں: ا۔ حواسِ ظاہری سے جاننا (مشاہدہ کرنا)

۲۔ دکھائی دینے والی چیزوں کی خصوصیات، احوال، اعمال کو دیکھ کر اس میں سے نتیجہ اخذ کرنا کہ یہ سب کچھ خود نہیں ہو رہا بلکہ ان کے پیچھے کوئی ہے۔ یہ بھی جاننے کا ایک طریقہ ہے۔

اللہ کو حواسِ ظاہری اور دماغ سے سمجھنے کی کوشش کریں گے تو اللہ کو محدود بنانے کی کوشش کریں گے اور یہ امر ہمارے لیے ہلاکت کا باعث ہوگا۔ ہم میں سے ہر ایک نے ایٹم اور خلیہ کے نیوکلیئس (مرکزہ) کا نام سن رکھا ہے مگر آج کے دن تک کسی سائنسدان نے کسی بھی ذریعے سے ایٹم اور نیوکلیئس (مرکزہ) کو نہیں دیکھا۔ جس کو آج تک دیکھا نہیں، ساری دنیا اس کو مانتی ہے۔ پونے 8 ارب انسانوں اور لاکھوں سائنسدانوں میں سے کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ اگر نظر نہ آنے پر اس کے موجود ہونے کا انکار کرنا ہے تو سب سے پہلے ایٹم اور نیوکلیئس کا انکار کرنا ہوگا۔ ایٹم اور نیوکلیس حتی کہ ایٹم کے تین ذرات نیوٹران، پروٹان اور الیکٹران کو نہ دیکھنے کے باوجود تمام دنیا ان کو مانتی ہے۔ حیران کن بات ہے کہ ان تمام سائنسی حقائق کو نہیں دیکھا مگر پھر بھی مانتے ہیں اور وہ ایمانی حقائق جن کو اللہ اور رسول نے بتایا کہ وہ ہیں تو ان کو کیوں نہیں مانتے؟

سائنس سے پوچھا جائے کہ ان سائنسی حقائق کو نظر نہ آنے کے باوجود کیوں مانتے ہو؟ سائنس کہتی ہے کہ بے شک یہ نظر نہیں آتے مگر ان کے آثار، علامات، نشانیاں اور اثرات نظر آتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیچھے کوئی ہے۔ وہ جو پیچھے ہے وہ نیوٹران، الیکٹران، پروٹان ہے۔ اسی طرح جب ہم کائنات کی تخلیق، انسان کی تخلیق اور کائنات کی علامات کو دیکھتے ہیں، زمین و آسمان، کہکشاؤں کو دیکھتے ہیں، دن رات، سورج چاند، موسم، دریا اور ان کے درمیان نظم کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے پیچھے کوئی ہے اور وہ ہے اللہ۔

اللہ کے وجود کے انکار کرنے والوں سے کوئی ایک بھی ثقہ سائنسدان نہیں ہے بلکہ بکھرے اور بگڑے ہوئے لوگ ہیں۔ وہ سائنسدان اور وہ عالم نہیں ہے، اس علم کے ماہر نہیں، وہ صرف انتشار فکر کا

کام کرتے ہیں۔ کسی بھی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے اس کی بنیاد علم پر رکھیں۔ جب کسی چیز کو ماننے کے لیے ہم دونوں اطراف کے دلائل کا موازنہ کرتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ دونوں اطراف کا علم ہمارے پاس ہو۔ ہم میں سے اکثر کو قرآن اور قرآنی حقائق کا علم نہیں ہے۔ جب تک کسی بات کا علم حاصل نہیں کیا، اس وقت تک اس کے بارے میں فیصلہ نہیں کر سکتے۔ جب قرآن اور دین کا علم ہی نہیں تو پھر کس بنیاد پر موازنہ کرتے ہوئے اللہ کے ہونے کا انکار کرتے ہو۔ جب دونوں اطراف کا علم صحیح معنی میں حاصل ہو تو پھر موازنہ کرنا جائز ہوتا ہے۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ جب سائنس کسی چیز کو ایجاد کر لیتی ہے تو مذہبی طبقہ اس کی بنیاد قرآن و حدیث سے نکال لیتا ہے۔ اگر یہ سب کچھ قرآن حدیث میں تھا تو پھر پہلے دریافت اور ایجاد کیوں نہیں کیا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جب سائنس ایجاد کرتی ہے تو پھر صرف مسلمان ہی اس کو قرآن سے کیوں تلاش کرلاتے ہیں، دیگر مذاہب کے ماننے والے وہ اپنے مذہب کو تقویت دینے کے لیے اپنی کتاب سے اس کو تلاش کیوں نہیں کر لیتے۔ اس لیے کہ قرآن کے علاوہ کسی دوسری مذہبی کتاب میں سائنسی حقائق موجود ہی نہیں۔ مسلمان کسی چیز کی ایجاد کے بعد اسے قرآن و حدیث سے اس لیے تلاش کرلاتا ہے کہ یہ ایک قدرتی اور نیچرل بات ہے۔ مترجم اور مفسر کا علم قرآن و حدیث سے جس طرح ہے، اس طرح اس کے پاس جدید علوم نہیں ہوتے۔ یہ مترجم اور مفسر کی کمزوری ہے کہ اس کے پاس جدید سائنس کا علم نہیں ہے۔ جب سائنس کسی چیز کو ایجاد کرتی ہے تو اس سے اس مترجم اور مفسر کی عقل میں اس کی راہ کھلتی ہے کہ اس کو تو قرآن پہلے ہی بیان کر چکا ہے۔

قرآن کے علم کو بیان کرنے کے لیے انسان کے پاس سائنس کا علم بھی تو ہونا چاہیے۔ جب سائنس نے بتادیا تو عالم کے ذہن میں فوراً آگیا کہ قرآن نے یہ پہلے ہی بتادیا ہے۔ پچھلی صدیاں سائنس کی فتوحات (19 اور 20 ویں صدی) کی صدیاں ہیں۔ سائنس نے انکشافات کیے، تب ان آیات کے معانی سمجھ میں آئے اور معانی اس لیے سمجھ میں آئے کہ قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔

۲۔ موضوع: فرعون، شہد کی مکھی، پودے اور انسانی ہڈیوں کے جوڑ

شیخ الاسلام نے شہر اعتکاف کی دوسری نشست سے ۲۲ ویں شب رمضان/یکم اپریل 2024ء کو ”فرعون، شہد کی مکھی، پودے اور انسانی ہڈیوں کے جوڑ“ کے متعلق جدید سائنس اور قرآنی حقائق کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام؛ حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں قیام کے برس

پورے کرنے کے بعد اپنی اہلیہ کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں انہوں نے کوہ طور کی جانب سے ایک آگ دیکھی۔ قرآن مجید اس واقعہ کو یوں بیان فرماتا ہے:

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ۔ (القصص:۲۹)

”پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) نے مقررہ مدت پوری کرلی اور اپنی اہلیہ کو لے کر چلے (تو) انہوں نے طور کی جانب سے ایک آگ دیکھی (وہ شعلۂ حسنِ مطلق تھا جس کی طرف آپ کی طبیعت مانوس ہوگئی) انہوں نے اپنی اہلیہ سے فرمایا: تم (یہیں) ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔ شاید میں تمہارے لیے اس (آگ) سے کچھ (اُس کی) خبر لاؤں (جس کی تلاش میں مدتوں سے سرگرداں ہوں) یا آتشِ (سوزاں) کی کوئی چنگاری (لادوں) تاکہ تم (بھی) تپ اٹھو۔“

اس آیت کریمہ سے یہ پیغام ملتا ہے کہ اگر کوئی اس کی تلاش میں سرگرداں ہو اور سالہا سال اس کی تلاش میں صدقِ نیت کے ساتھ مقررہ مطلوبہ تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے صرف کرے تو اسے اُس کی خبر ضرور ملتی ہے۔ علامہ اقبال نے شعیب و موسیٰ علیہما السلام کے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

دمِ عارف نسیمِ صبح دم ہے — اسی سے ریشہ معنیٰ میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر — شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

شبانی؛ بھیڑ بکریوں کو چرانے کا عمل ہے اور کلیمی اللہ سے ہم کلام ہونا ہے۔ اقبال نے ان اشعار میں موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے سفر کو بیان کیا ہے کہ یہ دو قدم ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اگر کوئی شعیب میسر آئے۔ اسی لئے سلف صالحین کہا کرتے تھے اللہ کی مجلس میں بیٹھا کرو اور اگر تم ایسے نہ بن سکو اور اس مقام مرتبہ تک نہ پہنچ سکو کہ اللہ کی مجلس میں بیٹھو تو پھر کم سے کم ان کی مجلس میں بیٹھا کرو جو اللہ کی مجلس میں بیٹھنے والے ہیں اور جنہیں اللہ کی ہم نشینی میسر ہے۔ اس لیے کہ اس محبوب حقیقی کی کچھ نہ کچھ خبر ان کی ہم نشینی سے تمہیں ملتی رہے گی اور وہ تمہیں بھٹکنے سے بچائیں گے اور تمہیں سیدھی راہ دکھائیں گے اور جو سیدھی راہ پر ہیں، انہیں سیدھی راہ پر مضبوط و مستحکم رکھیں گے۔

افسوس کہ آج نوجوان نسل قرآن مجید، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین اسلام کی تعلیمات سے پختہ تعلق نہ ہونے کے سبب دہریت اور لامذہبیت کی طرف راغب ہو رہی ہے۔ نوجوان نسل کو سوچنا ہوگا کہ وہ کہاں سے دین اور حق کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دہریت اور لامذہبیت کی طرف بلانے والے بھٹکے ہوئے لوگ ہیں۔ پہلی صدیوں میں سلف صالحین کہا کرتے تھے کہ جب تم دین کی بات سنتے

ہو تو دیکھو وہ لوگ کون ہیں؟ جن سے تم دین کی خبر لینے جا رہے ہو؟ اگر وہ خود ثقہ اور مستند ہیں تو تمہیں بھی پختہ اور درست بات بتائیں گے اور اگر وہ خود بھٹکے ہوئے ہیں تو تمہیں بھی گمراہ کر دیں گے۔

پہلے شفا خانے ہوتے تھے، اب بد قسمتی سے مرض خانے کھل گئے ہیں۔ لوگوں کو ذہنی، فکری ،اعتقادی اور نظریاتی امراض بیکٹیریا پہنچا رہے ہیں۔ مختلف آن لائن گروپس بن گئے ہیں جو دہریت اور لامذہبیت کی دعوت دے رہے ہیں۔ ان میں کوئی ایک بھی عالم، محقق اور سائنسدان نہیں ہے ۔ان کی اپنی ذاتی زندگیوں میں بے شمار کجیاں اور محرومیاں ہیں جن کے رد عمل میں آکر انھوں نے یہ راستہ اختیار کیا ہے۔

خدا کے وجود کو کیوں مانیں اور مذہب کو کیوں اپنائیں؟ اس امر کو جاننے کے لئے ہمیں قرآن مجید سے اپنا تعلق مضبوط کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے اس پاک کلام کے اندر ایسے شواہد، انکشافات اور حقائق موجود ہیں کہ ان پر غور و فکر کے ذریعے ہم اللہ کی ذات کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کر سکتے ہیں۔

1898ء میں فرعون مصر کی لاش (ممی) ملی اور 1975ء میں یہ امر متحقق ہوا کہ یہ لاش اسی فرعون کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کرتے ہوئے بالآخر سمندر میں غرق ہو گیا تھا۔ سائنسدان اس امر پر حیران تھے کہ اگر یہ سمندر میں غرق ہوا تو یہ لاش باہر کیسے آگئی اور محفوظ کیسے ہو گئی؟ یہ لاش مصریوں کے ہاتھ میں کیسے لگ گئی؟ اور آج ہمارے ہاتھ میں کیسے آئی؟ دس سال تک وہ اس امر کی تحقیق کرتے رہے مگر کسی نتیجہ تک نہ پہنچے۔ اس دوران پوری دنیا میں یہ بات پھیل چکی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کی لاش دریافت ہو گئی ہے جو سمندر میں غرق ہوا تھا۔ سائنسدان مورث بکائے نے مذکورہ سوالات کو جاننے کے لئے تورات اور انجیل کا مطالعہ بھی کیا کہ یہ بات وہاں پر موجود ہو گی مگر اسے ان کتب سے اس بارے کوئی معلومات نہ مل سکیں سوائے اس کے کہ فرعون اور اس کی پوری فوج سمندر میں غرق ہو گئی اور کوئی ایک شخص بھی زندہ نہ بچا۔ مگر ان کی حیرت اس وقت مزید بڑھ گئی جب انھیں سعودی عرب میں ایک کانفرنس کے دوران علماء نے اس کے سوالات کے جواب میں یہ کہا کہ قرآن مجید میں فرعون کے لاش کے محفوظ ہونے اور اسے لوگوں کے لئے عبرت بنائے جانے کا ذکر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ۔ (یونس: ۹۲)

”(اے فرعون!) سو آج ہم تیرے (بے جان) جسم کو بچالیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے (عبرت کا) نشان ہو سکے اور بے شک اکثر لوگ ہماری نشانیوں (کو سمجھنے) سے غافل ہیں۔“

وہ حیران ہو کر کہنے لگے کہ مسلمانوں کی کتاب کو یہ بات کس نے بتائی ؟ کیونکہ لاش تو 1898ء میں دریافت ہوئی اور ہم 1975ء میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ لاش اسی فرعون کی ہے۔ اس قرآنی حقیقت کو جان کر سائنسدان ڈاکٹر مورث بکائے اسی وقت اسلام لے آئے اور کہنے لگے کہ مجھے قرآن مجید کی اس آیت نے خبر دی کہ اسلام سچا مذہب ہے۔ اس لیے کہ اس خبر سے صرف خدا نے وحی کے ذریعے محمد مصطفی ﷺ کو آگاہ کیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی وہ نشانیاں ہیں جن سے اس کے ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ آج اللہ کے وجود کے منکرین سے کوئی یہ سوال کرے کہ کیا انھوں نے اس انداز سے قرآن مجید کا مطالعہ کیا ہے ؟ یقیناً ان کا جواب نفی میں ہوگا۔ اس لئے کہ انہوں نے کبھی تفکر ہی نہیں کیا، ان کا مقصد صرف تشکیک پیدا کرنا نوجونوں کو گمراہ کرنا، بے راہ کرنا اور بے خدا کرنا ہے۔ افسوس کہ آج لوگ حق کی کے لیے ان لوگوں کے پاس جاتے ہیں جنہیں نہ خدا کی خبر ہے اور نہ اپنی خبر۔ کیا سچ ان سے ملے گا جن کا سچ خود گم ہو گیا ہے۔ اگر خدا نہ ہوتا اور اسلام سچا مذہب اور دین نہ ہو تو قرآن مجید میں موجود یہ علم کس نے دیا کہ جسے سائنس آج تک جھٹلا نہیں سکی۔ لمحہ بہ لمحہ سائنس جوں جوں ترقی کرتی ہے وہ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتی چلی جاتی ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی بتائی ہوئی حقیقتوں کی تصدیق کرتی ہے۔ ہم سب آقا علیہ السلام، آپ کی نبوت ورسالت، آپ کے عطا کردہ دین اور میرے مولا تیرے قرآن کو سلام پیش کرتے ہیں ۔ہم سجدہ ریز ہیں، ہم تیرے احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتے کہ تو نے ہمیں اسلام کی دولت سے نوازا اور اس دین اور اس پیغمبر سے جوڑا جس نے اس زمانے میں وہ حقائق بتائے جن کو دریافت کرنے میں انسان کو چودہ صدیاں گزر گئیں۔

شہر اعتکاف سے اپنے خطابات کی اس دوسری نشست میں شیخ الاسلام نے شہد کی مکھی، پودوں اور انسانی جسم کے جوڑوں کے متعلق متعدد ایسے حقائق اور انکشافات کو بیان فرمایا جن سے سائنس موجودہ صدی میں آگاہ ہو رہی ہے۔ مگر قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں وہ حقائق چودہ سو سال پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

خطاب کے اختتام پر شیخ الاسلام نے چند ان برگزیدہ ہستیوں کا ذکر کیا جنہوں نے خدا کا صرف پتہ ہی نہیں پایا تھا بلکہ خود خدا سے ملاقات بھی کی تھی۔ اس موقع پر آپ نے حضرت سفیان ثوری، حضرت جعفر بن سلیمان، حضرت رابعہ بصری، حضرت شعبہ بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال اور واقعات بیان فرمائے کہ جب تک دل کے اندر دنیا کا حرص، لالچ، تڑپ اور رغبت قائم رہے گی اور دل دنیا سے جڑا رہے گا، اس وقت تک وہ مولا سے جڑ نہیں سکتا۔ کسی کے وصل کے لیے فصل ضروری ہے۔ اس مادی دنیا سے دل کٹے گا تو اللہ سے جڑنے کا راستہ آسان ہو جائے گا۔

۳۔ موضوع: زمین، پہاڑ، کائنات کی اِبتداء، اس کا پھیلنا، سکڑنا اور اس کے ہمہ گیر ٹکراؤ پر اِختتام

شہرِ اعتکاف کی تیسری نشست ۲۳ ویں شب رمضان / 2 اپریل 2024ء کو منعقد ہوئی۔ اس نشست میں شیخ الاسلام نے علم ارضیات، کائنات کی ابتداء، اس کے وسعت پذیر ہونے اور اس کے اختتام کے موضوع پر گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں geology، علم ارضیات یعنی زمین اور زمین کے اوپر جو کچھ ہے جس میں پہاڑ, جنگلات, زمین کی تہیں اور کانیں شامل ہیں، ان کے متعلق بھی وہ حقائق بیان کئے ہیں جن سے سائنس آج آگاہ ہو رہی ہے۔ قرآن مجید چودہ سو سال قبل یونان میں نازل نہیں ہوا کہ جہاں پرانے دور کا سائنسی علم تھا اور جہاں ارسطو اور افلاطون پیدا ہوئے۔ یہ قرآن عرب میں نازل ہوا جسے امی (ان پڑھ) کہا جاتا تھا۔ جہاں لوگ کتاب، مکتب اور مدرسہ سے آشنا نہ تھے۔ آقا علیہ السلام کو بھی رسولِ امی بنایا کہ آپ دنیا میں کبھی کسی کے پاس جا کر نہیں پڑھے۔ یہ اہتمام اس لئے فرمایا کہ کوئی یہ الزام نہ دے سکے کہ کسی استاد، کتاب یا مکتب و مدرسہ سے سیکھ کر آئے ہیں۔ کفار مکہ نے ہر طرح کے ظلم و ستم ڈھائے مگر وہ بھی یہ الزام نہ لگا سکے کہ یہ باتیں انھوں نے فلاں شخص، فلاں کتاب یا فلاں مکتب سے سیکھی ہیں۔ اس سے عجیب بات یہ ہے کہ چودہ سو سال گزر گئے یہ تہمت آج تک بھی کوئی نہیں لگا سکا۔

قرآن مجید میں موجود سائنسی حقائق وہ آیات اور نشانیاں ہیں جو خدا کے ہونے کی خبر دیتی ہیں۔ یہ آیاتِ قرآنی بتاتی ہیں کہ خدا ہے اور خدا کو ماننا ضروری ہے اور مذہب کو اپنانا ضروری ہے۔ اگر خدا کے وجود کا انکار کر دیا جائے تو قرآن مجید کی ان آیات کا جواب کسی شخص کے پاس نہیں کہ رسول اکرم ﷺ یہ علم کہاں سے لے آئے؟ چودہ صدیاں قبل جب انسانیت جہالت کے اندھیرے میں تھی، علم کی کوئی روشنی شرق سے غرب تک نہ تھی، سائنس، لیبارٹریز، تحقیقات اور سائنسدان نہیں تھے، زمین کے اوپر نیچے study کرنے کے آلات نہیں تھے، الغرض کسی کو زمین اور اس کے متعلقات کی کچھ خبر نہیں تھی، قرآن مجید نے اس زمانے میں زمین کے متعلق حقائق بیان کئے۔

حق کو پا لینے، اس رب کی نشانیوں کو سمجھ لینے، خدا کے وجود اور اس کی قدرت کے آثار کو جان لینے کے لیے غور و فکر کرنے والوں کے لئے قرآن کی ایک ہی آیت کافی ہو جاتی ہے۔ آج وہ لوگ جو خدا کے وجود کے منکر بن رہے ہیں، انھیں حق پانے اور حق پر قائم رہنے کے لیے کتنی آیات کی ضرورت ہے۔ ہر آئے روز ہم کسی نہ کسی ذریعہ سے کسی نہ کسی کے اسلام قبول کرنے کی خبر سنتے ہیں۔ جو حق پر نہ تھے،

وہ قرآن کی نشانیاں دیکھ کر دیکھ کر حق پا گئے اور ہم حق پر ہیں، حق پر پیدا ہوئے لیکن افسوس کہ ہم قرآن کی نشانیوں کو دیکھنا اور پڑھنا نہیں چاہتے اور اس کے لیے وقت صرف نہیں کرنا چاہتے۔ ہم ان لوگوں سے پوچھتے یا ان لوگوں کے گمراہ کن خیالات سے متاثر ہوتے ہیں جو خود گم ہو گئے ہیں۔ خود گم ہو جانے والا آپ کو کیا راستہ دکھائے گا۔

دہریت اور لامذہبیت کی راہ پر چلنے والے نوجوان واپس پلٹ آئیں! اس قرآن کے دامن سے وابستہ ہو جائیں۔ اس قرآن میں ہزار ہا ایسے حقائق اور انکشافات ابھریں گے جن کا علم انسانیت اور سائنس کو آج ملا ہے۔ گزشتہ دو تین صدیوں کے اندر جو معلومات انسانوں تک کتابوں اور تحقیقات کے ذریعے پہنچی ہیں، ان کا واضح تذکرہ چودہ سو سال قبل قرآن اپنے اندر کر چکا ہے۔ خدا اور مذہب کے منکرین سے صرف ایک سوال کریں کہ یہ علم جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے، اس کو یہ علم کس نے دیا؟ جب عالمِ انسانیت میں سے کسی کو ان امور کی خبر نہیں تھی، اس وقت یہ حقائق اگر قرآن نے بتا دیے تو قرآن کو کس نے بتائے؟ اللہ کے نبی پر کس نے یہ علم نازل کیا؟ لامحالہ اس کے جواب میں ''اللہ'' کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

اس تیسری نشست میں شیخ الاسلام نے علم ارضیات کے علاوہ زمین، آسمان، چاند، ستاروں اور سیاروں کی گردش، کائنات کی ابتداء اور ہر لمحہ اس کائنات کے وسعت پذیر ہونے کے حوالے سے ان قرآنی حقائق کو بیان کیا جن تک آج سائنس رسائی حاصل کر رہی ہے۔ چودہ صدیاں قبل تو دور کی بات ہے، دو سو سال قبل بھی کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ کائنات پھیل رہی ہے اور اس کی تخلیق ایک زور دار توانائی سے ہوئی تھی مگر قرآن مجید نے کہا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ سائنسی تحقیق کے مطابق زمین کی عمر اس وقت چودہ ارب سال کے قریب ہے ہو چکی اور سائنس کی تحقیق یہ ہے کہ مزید پینسٹھ ارب سال اس کائنات نے اور زندہ رہنا ہے۔ اس کے بعد کیا ہو گا وہ بھی قرآن مجید میں بیان ہو چکا ہے۔

برطانوی سائنسدان نیوٹن نے 1687ء میں کہا کہ یہ کائنات جامد ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آ رہی۔ بعد ازاں آئن سٹائن نے نظریہ اضافیت دیا اور نیوٹن کے دیے ہوئے تصور کو رد کیا اور کہا کائنات جامد نہیں ہے بلکہ کائنات میں حرکت ہو رہی ہے۔ 1929ء میں امریکن سائنسدان ایڈون ہبل نے پہلی بار یہ مفروضہ پیش کیا کہ کائنات متحرک تو ہے ہی مگر لگتا ہے کہ کائنات متحرک ہونے کے ساتھ ساتھ پھیل بھی رہی ہے۔ قرآن مجید کی حقانیت اور اس کے اللہ کے کلام ہونے کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید نے چودہ سو سال قبل ہی بیان کر دیا تھا کہ کائنات ہر لمحہ وسعت پذیر ہے۔

سائنس آگے بڑھتی رہے گی اور جو جو قرآن مجید اور میرے مصطفیٰ ﷺ نے فرمادیا تھا ظاہر ہونے والی ایک ایک حقیقت قرآن کی تصدیق کرتی چلی جائے گی اور ایک وہ وقت آئے گا کہ ہم تو نہیں ہوں گے مگر ساری سائنس درِ مصطفیٰ ﷺ پر سجدہ ریز ہو جائے گی۔ ہم خدا کو تو نہیں پا سکتے اور نہ کوئی انسان پا سکتا ہے مگر ہم نے اس کی نشانیاں پالی ہیں اور پچھلی صدی سے نشانیوں کا پانا شروع کر دیا ہے اور ساری نشانیاں بولتی ہیں کہ کوئی ایک خالق ہے جس نے کائنات کو بنایا ہے۔

اس تیسری نشست کے اختتام پر شیخ الاسلام نے ان صلحا کا ذکر کیا جو اللہ سے جڑ گئے تھے اور جنہوں نے اللہ کو پالیا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ نے حضرت ابراہیم بن ادھم، حضرت فتح الموصلی کی دو عفت مآب صاحبزادیوں اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال اور واقعات بیان کئے کہ ان صلحا کو حاصل ہونے والی کیفیات کی لذتوں کو اپنے اندر پیدا کریں۔ دین میں استقامت پیدا کریں، صحبت صالحہ کو اختیار کریں۔ مناجات سے اس کی ملاقات تک کا سفر طے کریں۔

۴۔ موضوع: جدید ایمبریالوجی کی روشنی میں قرآن کی حقانیّت

شیخ الاسلام نے شہر اعتکاف کی چوتھی نشست (منعقدہ ۲۴ ویں شب رمضان / 3 اپریل 2024ء) سے جدید ایمبریالوجی کی روشنی میں قرآن کی حقانیت کے موضوع پر خطاب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام منعقدہ یہ سالانہ شہر اعتکاف ایک روحانی تربیت گاہ بھی ہوتا ہے اور ان ایام میں انفرادی اور اجتماعی ہر دو طریقے سے سب حاضرین کو خود شناسی اور خدا شناسی کا سبق ملتا ہے۔ خدا کو کیوں مانیں اور مذہب کو کیوں اپنائیں؟ اس کے لیے میں نے قرآن مجید کا علم اور دور جدید کی سائنسی تحقیقات کے ذریعے تصدیق کی راہ کو اپنایا ہے۔ قرآن کا دعوی اور سائنس کا اعتراف؛ عقلی اور منطقی طور پر پوری وضاحت و صراحت اور وثوق کے ساتھ اس مسئلہ کو سمجھنے کا اس سے بہتر کوئی اور طریق نہیں۔ اس سلسلے میں قرآن مجید پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کو سمجھیں، قرآن کے دیے ہوئے فکر اور علم کو تدبر اور تفکر کی راہ سے اپنے قلب و باطن میں اتاریں۔

آج سے 29 سال قبل کینیڈا سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر کیتھ مور سے میری ملاقات ہوئی۔ یہ یونیورسٹی آف ٹورانٹو کے پروفیسر تھے اور ایمبریالوجی کے میدان میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ ایمبریالوجی کے موضوع پر ان کی معروف کتابیں پوری دنیا کے میڈیکل کالجز کے نصاب میں شامل ہیں۔ میں انہیں دعوتِ اسلام دینے کے لیے کینیڈا گیا تھا۔ ان کی رہائش گاہ پر ان سے ملاقات ہوئی، انہوں نے اپنی کتابیں مجھے تحفہ دیں۔ میں نے بھی انہیں اپنی دو کتابیں تحفہ دیں۔ وہ یہ دیکھ کر حیران

ہوئے جب میں نے ان کو بتایا کہ میں نے اپنی کتب میں ان کی کتابوں کے reference دے کے اسلام اور قرآن کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ میں نے جب انھیں اسلام کی دعوت دی تو وہ مسکرائے اور انہوں نے ایک بڑا ہی خوشگوار جواب دیا مگر میری دعوت کے جواب میں ''ہاں'' یا ''نہیں'' دونوں میں سے کوئی لفظ نہ بولا۔ ان کا وہ جملہ میرے پاس ان کی امانت ہے، ان کے اس جملہ میں اسلام کے لیے ان کی محبت اور قرآن کے لیے ان کی عقیدت جھلکتی تھی اور انہوں نے یہ امر واضح کر دیا کہ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ محمد مصطفی ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور مجھے اس امر میں کوئی شک نہیں رہا کہ میں نے جو کچھ قرآن مجید میں پایا ہے، اس کا کوئی اور جواب ممکن نہیں، سوائے اس کے کہ یہ اللہ رب العزت کی وحی ہے۔ اگر اللہ کے وجود کو نہ مانیں اور قرآن مجید کو اللہ کی نازل کردہ سچی کتاب نہ مانیں اور حضور علیہ السلام کو اللہ کا سچا نبی اور رسول نہ مانیں تو ایک سائنسدان ہونے کے ناطے میرے پاس اس امر کا اور کوئی جواب نہیں کہ جو تحقیقات ہمیں ایمبریالوجی کے میدان میں پچاس سال کے عرصے میں میسر آئیں کہ ماں کے پیٹ میں بچے کی تخلیق کس طرح ہوتی ہے اور بچہ ماں کے پیٹ میں کن کن مرحلوں سے گزرتا ہے اور اس کی کیا کیا جزیات اور تفصیلات ہیں۔ یہ وہ معلومات ہیں جن کا ادراک سائنس کو اب سے صرف پچاس برس پہلے 1941ء کے بعد ہوا ہے اور اس سے پہلے سائنس کے پاس یہ معلومات نہیں تھیں مگر وہ معلومات پوری صحت، تفصیلات اور پورے تعین کے ساتھ قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے بیان کر دی ہیں۔ اس حیرت کا کوئی جواب میرے پاس نہیں، سوائے اس کے کہ میں مانوں کہ قرآن اللہ کی سچی کتاب ہے اور حضور علیہ السلام اللہ کے سچے پیغمبر ہیں اور یہ قرآن اللہ کی وحی ہے۔

ڈاکٹر کیتھ مور کہتے ہیں کہ مجھے سعودی عرب سے کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی میں اناٹمی اور ایمبریالوجی پر ایک ماہر کے طور پر لیکچر دینے کی دعوت ملی۔ اس یونیورسٹی میں ایک ایمبریالوجی کمیٹی تھی جو علم جنینیات (ماں کے رحم میں بچے کی زندگی کا آغاز) پر تحقیق کرتے تھے۔ اس کمیٹی نے میرے سامنے قرآن مجید کی کچھ آیات اور احادیث رکھیں اور کہا کہ ہم چاہتے ہیں آپ ان آیات کی ایک ایمبریالوجسٹ سائنٹسٹ ہونے کے ناطے تشریح کر دیں۔ ڈاکٹر کیتھ مور کہتے ہیں کہ میں نے جب قرآن مجید کی ان آیات کا انگلش ترجمہ اور احادیث کے انگلش تراجم دیکھے تو میں دنگ رہ گیا اور حیرت میں گم ہو گیا کہ قرآن مجید کی ان آیات کے بیان میں اتنی تفصیل اور accuracy تھی کہ ماں کے پیٹ میں بچے کی نشو نما کی معلومات آج سے چودہ سو سال پہلے فراہم کر دیں، جس وقت کوئی انسان ان کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

یاد رکھیں! سائنس کی ترقی دو تین سو سال پہلے شروع ہوئی ہے، اس سے پہلے ہزار بارہ سو سال کا عرصہ یورپ میں dark age کہلاتا ہے چونکہ اس زمانے میں مغربی دنیا اور یورپ اندھیرے میں تھا مگر اسلام روشنی میں تھا۔ آقا علیہ السلام کے غلاموں نے شرق سے غرب تک دنیا میں علم اور سائنس کا نور پھیلا دیا تھا۔ ماں کے رحم میں بچہ کن مرحلوں سے گزرتا ہے اور اس کی تفصیلات کیا ہیں، اس پر سائنس انیسویں صدی کی پہلی تین دہائیوں تک خاموش ہے۔ جب تک خوردبین ایجاد نہیں ہوگئی، سائنس ان حقائق سے بے خبر تھی مگر چودہ سو سال قبل قرآن مجید میں ایمبریالوجی سے متعلق اتنی صحت کے ساتھ معلومات کا درج ہونا اس قرآن کے وحی الٰہی ہونے اور خدا کے وجود کے ہونے کا ایک واضح ثبوت ہے۔

ڈاکٹر کیتھ مور کہتے ہیں کہ مجھے مسیحی لوگ آکر کہتے کہ تم نے اگر قرآن سے ایسی باتیں معلوم کر لی ہیں جس سے مسلمانوں کے مذہب کو تقویت پہنچ رہی ہے تو تم تورات اور انجیل سے بھی اس طرح کے شواہد ثابت کر دو، تاکہ ہمارے مذہب کو بھی تقویت پہنچے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے انھیں کہا کہ میں سو بار بیان کرتا، اگر بائبل میں مجھے ایسی کوئی سائنٹیفک چیز ملتی۔ میرا مذہب مسیحیت ہے مگر میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ قرآن مجید کی جس آیت کو دیکھتا ہوں، وہ سائنسی حقائق پر مبنی ہے اور بائبل میں ایک مقام بھی سائنسی معلومات کی بالکل درست تصویر نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے علم، معرفت اور حق کی بہت بڑی کائنات مسلمانوں کو دی ہے، اس سے نہ بھاگیں اور جو لوگ بکھرے ہوئے اور راہ گم کردہ ہیں، وہ واپس لوٹ آئیں۔ ان قرآنی حقائق کو دیکھیں جن کا علم آج سائنس کو ہو رہا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں قرآن میں چودہ سو سال پہلے بیان فرما دیا ہے۔ یہ سب حقائق اللہ کے وجود کے ہونے اور دین اسلام کے سچے مذہب ہونے کی علامات ہیں۔

اس موقع پر شیخ الاسلام نے ماں کے رحم میں بچے کی تشکیل کے جملہ مراحل کو تفصیل کے ساتھ قرآنی آیات اور جدید سائنس کی روشنی میں واضح فرمایا۔

۵۔ موضوع: خود شناسی سے خدا شناسی تک: اِنسانی جسم کے خلیے (Cell) کا مطالعہ

شہر اعتکاف کی پانچویں نشست میں ۲۵ ویں شب رمضان / 4 اپریل 2024ء کو شیخ الاسلام نے انسانی جسم کے خلیہ (Cell) پر گفتگو کی اور انسان کو خود شناسی سے خدا شناسی تک کے سفر سے متعارف کرواتے ہوئے کہا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۔ (حم السجدہ: ۵۳)

”ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں اطرافِ عالم میں اور خود اُن کی ذاتوں میں دِکھا دیں گے یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔ کیا آپ کا رب (آپ کی حقانیت کی تصدیق کے لیے) کافی نہیں ہے کہ وہی ہر چیز پر گواہ (بھی) ہے۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً۔ (النساء: ۱)

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتدائ) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا۔“

اس آیت میں مذکور ایک جان سے مراد ایک خلیہ (cell) ہے جس سے اللہ رب العزت نے انسان کو تشکیل دیا ہے۔ اگر اس خلیہ کا جائزہ لیں تو اس سے بھی اس سوال کا جواب مل جاتا ہے کہ خدا ہے یا نہیں؟ خلیہ انسان کی تخلیق اور تشکیل کی خشتِ اول یعنی پہلی اینٹ ہے۔ جس طرح ہم اینٹوں اور بلاکس سے گھر بناتے ہیں، اسی طرح یہ نفسِ واحدہ یعنی خلیہ انسانی وجود کی عمارت کا وہ بنیادی بلاک ہے جس سے جسم وجود میں آتا ہے۔ خلیے (cell) ملتے چلے جاتے ہیں اور انسان تشکیل پاتا چلا جاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ اینٹیں سائز میں بڑی ہیں، اس لئے آنکھوں سے نظر آتی ہیں جبکہ جسم جن بلاکس یعنی خلیوں سے تشکیل پاتا ہے، وہ خلیہ اتنا چھوٹا ہے کہ روئے زمین پر کسی شخص کی آنکھ براہ راست اس کو نہیں دیکھ سکتی۔ اس کا سرسری جائزہ لینے کے لیے بھی بڑی طاقتور خوردبین (مائیکروسکوپ) درکار ہے جبکہ تفصیلی مشاہدہ کرنا چاہیں تو عام طاقتور مائیکروسکوپ بھی کام نہیں دیتی بلکہ اس کے لیے الیکٹرون مائیکروسکوپ بنائی گئی ہے۔

اس ایک خلیہ (cell) میں بھی اللہ کی ایسی نشانیاں موجود ہیں کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہیں۔ انسان کا جسم 100 کھرب خلیوں (cells) کے ساتھ تشکیل پاتا ہے اور ہر سیل اپنے اندر ایک کائنات ہے۔ ایک سیل کے اندر 100 ارب ایٹمز اور 4 کروڑ 20 لاکھ مالیکیولز ہوتے ہیں۔ ان سیلز پر تحقیق سے معلوم ہوگا کہ کوئی ذات ہے جس نے انہیں ڈیزائن کیا، بنایا اور پھر ترتیب سے ان کی جگہوں پر لگایا ہے۔ کائنات میں تمام اشیاء خلیات (cells) سے مل کر بنی ہیں۔ ایک خلیہ کا سائز اتنا ہوتا ہے کہ 10 لاکھ خلیات (cells) جمع کیے جائیں تو ان کا سائز ایسے بنتا ہے جیسے بال پوائنٹ کی نوک ہوتی ہے۔ انسانی جسم کے ہر خلیہ (cell) کے اندر ایک کائنات آباد ہے۔ خدا نے اس سیل کی ضرورت کی

تمام اشیاء اس کے اندر پیدا کی ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ ایک سیل سے پورا انسان تشکیل پا سکتا ہے۔ ہمیں علم، تحقیق اور سائنس کی آنکھ کھول کر ان آفاقی حقیقتوں کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس سے ہمیں خدا کے وجود کا پتہ ملے گا۔

سوال یہ ہے کہ ایک جسم کے اندر موجود کھربوں خلیوں پر مشتمل یہ نظام کیا اتفاقاً وجود میں آگیا ہے یا اس کے پیچھے کوئی بڑا ڈیزائنر اور کوئی بڑا انجینئر موجود ہے؟ اس سوال کا جواب خلیہ خود دیتا ہے کہ میرا ایک خالق ہے جو بہت بڑا ڈیزائنر، منصوبہ ساز، انجینئر اور ریاضی دان ہے۔ اس نے ایک نظم، توازن، ایک مقدار اور عددی حساب کے ساتھ ہر چیز کو بنایا اور چلایا ہے۔ اس ایک چھوٹے سے خلیہ میں کھربوں مخلوق آباد ہے۔ پوری دنیا میں پونے آٹھ ارب انسان رہتے ہیں مگر اس ایک چھوٹے سے ذرے میں کھربوں کی آبادی ہے۔ جس طرح دنیا کے اندر مختلف نظام موجود ہیں، اسی طرح ایک خلیہ کے اندر بھی اس کے نظام کو چلانے کے لئے بجلی گھر، انڈسٹریز، کیمیکل پلانٹس، الیکٹرک پاور پلانٹس، ذرائع نقل و حمل، مواصلات، انفارمیشن ٹیکنالوجی، سیکیورٹی اور دفاع کا نظام اور اس طرح کے کئی نظام موجود ہیں، جو چوبیس گھنٹے متحرک رہتے ہیں۔ اور ہمہ وقت خلیہ کے اندر رہنے والے کھربوں اجزاء اور ان کے اندر موجود اجزاء کی ہر قسم کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ آنکھ کی مثال لیں کہ یہ بھی ایک بہت بڑی کائنات ہے۔ اگر آنکھ کے پچھلے پردہ کی بات کریں جسے retina کہتے ہیں تو اس کے اندر راڈ کی شکل میں بارہ کروڑ خلیے (cells) آباد ہیں اور ساٹھ لاکھ خلیے cone کی شکل میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں جسم میں موجود ہر خلیہ کی الگ الگ ذمہ داریاں ہیں، جس طرح کی ذمہ داریاں اللہ نے انھیں دی ہیں، ان کے مطابق ان کا سائز اور شکلیں بنائی گئی ہیں۔

ان تمام خلیوں کو اپنے افعال سرانجام دینے کے لئے توانائی کی ضرورت ہے، حیران کن بات یہ ہے کہ یہ تمام خلیے اپنی توانائی کی ضرورت کو بھی خود پورا کرتے ہیں۔ آنکھ کے retina کے ایک خلیہ میں ایک ہزار سے لے کر اڑھائی ہزار تک power plants لگے ہوئے ہیں جو شب و روز کام کرتے ہیں۔ کوئی ایک خلیہ پورے وجود میں نافرمانی نہیں کرتا بلکہ اطاعت گزار ہے۔ جو ذمہ داری اس کی ہے، وہ اسے پورا کرتا ہے۔ وہ اپنے دیے ہوئے discipline، نظامِ حیات، احکام اور ہدایات کے مطابق چلتا ہے اور نظم نہیں توڑتا۔ اگر آنکھ کا خلیہ جسم کا کوئی اور عضو بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے، مگر وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ اپنے ہی کام کو سرانجام دیتا ہے۔ کوئی ہے جس نے اسے ایسا کرنے سے روکا ہوا ہے اور اس خلیہ کو اپنے کام کے علاوہ کوئی اور کام نہیں کرنے دیتا۔ وہ خدا کی ذات ہے۔ دنیا کے کسی انسانی معاشرے میں اتنا نظم نظم نہیں ہوگا جتنا نظم اس خلیہ میں موجود ہے۔

اس موقع پر شیخ الاسلام نے خون کے سرخ اور سفید خلیوں، DNA، دماغ، ناک اور زبان کے خلیوں کے متعلق تفصیل سے گفتگو فرماتے ہوئے اللہ رب العزت کے وجود کے ہونے اور اس کی وحدانیت و ربوبیت کے متعدد دلائل و شواہد بیان کیے کہ انسان کے اندر موجود تمام خودکار نظام خود سے نہیں بنے، بلکہ انہیں کسی نے بنایا ہے اور انہیں ان کے معاملات کا شعور دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انہیں کون گائیڈ کرتا کہ انہوں نے کب، کہاں اور کس طرف جانا ہے؟ کوئی تو ان کا تخلیق کار اور ان کا صورت گر ہو گا؟

پانچویں نشست کے اختتام پر شیخ الاسلام نے حسبِ سابق چند ان صلحا کا ذکر فرمایا جنھوں نے اللہ رب العزت سے ایک مضبوط تعلق قائم کر لیا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ نے حضرت مالک بن دینار، امام احمد بن حنبل، حضرت بشر حافی، حضرت ذوالنون مصری، حضرت رابعہ بصری اور حضرت سری سقطی رحمھم اللہ کے روحانی احوال کا ذکر فرمایا کہ ان بندوں کو اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے کہ جن کے دل میں زمین و آسمان اور دنیا و آخرت کی ساری کائنات میں اللہ کی محبت کے سواء کچھ بھی موجود نہ ہو۔

۶۔ موضوع: کہکشاؤں بھری کائنات میں خدا کی تلاش)
(کائنات کا بے نقص ریاضیاتی نظم اور خدائی کنٹرول)

۲۶ ویں شب رمضان / 5 اپریل 2024ء کو شیخ الاسلام کی گفتگو کا موضوع کائنات میں موجود کہکشاؤں کے مطالعہ سے اس کائنات کے بے نقص نظام کو واضح کرنا تھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ان کو کنٹرول فرماتا ہے۔ یہ خطاب شیخ الاسلام کے اس سلسلہ وار گفتگو ''خدا کو کیوں مانیں اور مذہب کو کیوں اپنائیں؟'' کا آخری خطاب تھا۔ اس خطاب میں شیخ الاسلام نے فرمایا کہ دہریت، لامذہبیت اور ناخدائیت کی فکری لہر دو اڑھائی سو سال قبل مغرب میں شروع ہوئی تھی۔ آغاز میں اس فتنہ میں اِسلام کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ لہٰذا اس فتنہ کا پس منظر سمجھنا بہت ضروری ہے تاکہ فکری اِنتشار کا شکار ہونے والی نوجوان نسل اس کی تاریخ سے آگاہ ہو سکے۔ درحقیقت یورپ میں ایک طویل عرصے تک ریاست اور چرچ کا گٹھ جوڑ تھا۔ وہاں چرچ کو خدا کے نمائندہ کی حیثیت دی جاتی تھی اور وہ اس کے ذریعے اپنے مفادات کا تحفظ کرتے تھے۔ چرچ اور ریاست کے اس گٹھ جوڑ کے ردِ عمل میں فتنۂ اِنکارِ مذہب شروع ہوا۔ جب مذہبی راہ نُما مذہب کو اپنے مفادات کے حصول اور روزگار و دنیا کمانے کا ذریعہ بناتا ہے تو پھر اسے خود ساختہ نظریات گھڑنے پڑتے ہیں اور لوگوں کو اندھا کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ اس کی کہی کسی بات کو چیلنج نہ کریں اور یوں وہ اپنی خود ساختہ اتھارٹی کو maintain رکھ سکے۔ یورپ کے مذہبی راہنما یہ برداشت نہیں کرتے تھے کہ کوئی ان کے بنائے ہوئے نظریات کو چیلنج کرے۔ اس لیے ایک ہزار سال تک یورپ

میں سائنس کو ترقی نہیں کرنے دی گئی۔اِس وجہ سے یورپ ان ہزار سالوں کو dark ages کہتا ہے کیوں کہ ان سالوں میں سائنسی تحقیقات آگے نہیں بڑھنے دی گئیں۔

سیاست کسی کی وفادار نہیں ہوتی۔ یہ صرف اور صرف اپنے مفادات کی وفادار ہوتی ہے۔ سیاست کا مفاد صرف سیاست ہے اور اپنے مفادات کی خاطر یہ رحمان اور شیطان دونوں سے اتحاد کر سکتی ہے۔ یورپ میں بھی یہی کچھ ہوا کہ جب ریاست کو چرچ کی ضرورت نہ رہی تو اس نے سائنس کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ جب ریاست نے اپنے مفادات کی خاطر سائنسی تحقیقات کو روکنا تھا تو مذہبی رہنماؤں کا سہارا لیا اور جب ریاست نے اپنے مفادات کی خاطر چرچ کو کچلنا تھا تو اس نے سائنس کا سہارا لیا اور بالآخر یورپ میں مذہب اور سائنس کے مابین جاری جنگ میں سائنس جیت گئی۔ بعدازاں مذہبی راہنما کمزور ہوئے تو خدا کا نمائندہ کہلانے والے مذہبی نمائندگان کے خلاف پلنے والی ایک ہزار سالہ نفرت صرف مذہبی رہنماؤں تک محدود نہ رہی بلکہ سائنس دانون نے مذہب اور خدا کے خلاف اپنا غصہ نکالا۔ حالانکہ اَصلاً وہ خدا کے وجود کے انکاری نہ تھے بلکہ صرف اُن مذہبی رہنماؤں کے خلاف تھے۔

منٹگمری واٹ کہتا ہے کہ صدیوں تک یورپ کا اِنحصار اسلامی تحقیقات پر رہا اور یورپ میں مسلم سائنس دانوں کی کتابیں پڑھائی جاتی رہیں۔ سر تھامس آرنلڈ کہتا ہے کہ یورپ کی dark ages میں مسلمان پوری دنیا کو سائنس، علم اور شعور دے رہے تھے۔ یورپ نے اسلام اور مسلمانوں سے سائنس سیکھ کر ترقی حاصل کی۔ جس دور میں مسلم سائنس دانوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عطا کردہ علوم سے سائنس کو فروغ دیا اُس وقت یورپ تاریکی کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ میڈیکل سائنس کی پوری تاریخ میں ایسا کوئی کام نہیں ہے جو ابن سینا کے کام سے زیادہ پڑھا یا چھپا ہو۔ پروفیسر فلپ کے ہٹی اپنی کتاب History of the Arabs میں لکھتا ہے کہ اسلام کا علم اسپین اور سسلی کے ذریعے پورے یورپ میں پھیلا۔ یہ وہ دور تھا جب یورپ اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔

سائنس آج کثیر تحقیقات کے بعد کہتی ہے کہ کائنات کا سارا نظام zero defect ہے، جب کہ اللہ تعالی نے آج سے چودہ سو سال قبل قرآن مجید کے ذریعے اعلان کیا کہ ساری کائنات کا مطالعہ اور مشاہدہ کر لو تمہیں کہیں کوئی ہلکا سا نقص نظر نہیں آئے گا۔ اللہ نے عقل دی ہے۔ قرآن مجید پڑھیں اور سوچیں کہ کس طرح کائنات میں موجود تمام کہکشائیں اپنے مقررہ راستوں میں چلتی ہیں اور ان میں کوئی حادثہ یا مسئلہ نہیں ہوتا۔ کون ہے اس عظیم نظام کو پیدا کرنے والا؟ کون ہے اس کو برقرار رکھنے والا؟ اس کا ایک ہی جواب ملتا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی ذات ہے۔

مفاد پرست ذہنیت تحقیق و شعور کے ماحول کو قبول نہیں کرتی، مذہب کو ذریعہ روزگار بنانے والا طبقہ چاہتا ہی نہیں کہ عام آدمی تک قرآن و سنت کی جدید سائنسی فکر پہنچے اور ان کے مفادات خطرے میں پڑ جائیں۔ مذہبی طبقہ کی یہ روش رہی ہے کہ وہ خدا کا خود ساختہ نائب بن کر علم و شعور کے دروازے مقفل کر دیتا ہے اور خود اتھارٹی بن جاتا ہے، جس سے مذہب کے فرسودہ اور دقیانوسی ہونے کا غیر حقیقی تصور اجاگر ہوتا ہے۔ یہ سوچ نوجوانوں کو اللہ اور مذہب سے دور اور بیزار کرنے کا سبب بنتی ہے۔

جتنے بھی غیر مسلم سائنسدان گزرے ہیں سب نے کائنات کے رموز و اسرار پر اپنی سائنسی تحقیق کے اختتام پر اپنے انداز اور الفاظ کے ساتھ خدا کے یکتا و واحد ہونے کا اعتراف کیا کہ یہ کائنات کسی بہت ہی اعلیٰ تن تنہا ریاضی دان کی تخلیق ہے۔ کائنات کا نظام بڑے ہی نظم و ضبط کے ساتھ رواں دواں ہے۔ چاند سورج ستارے، سیارے لاکھوں اربوں کہکشائیں اپنے متعینہ راستے اور مداروں میں محو گردش ہیں اور کوئی ایک سینٹی میٹر کا ہزارواں حصہ بھی اپنے راستے سے نہیں ہٹتا۔ ہر وہ شخص جو دیانت داری سے اِنسان کے اندر اور باہر کی کائنات میں غور و فکر کرے گا، وہ اللہ کی وحدانیت کا اِقرار اور اُس پر ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مذہب جس طرح خدا کا تعارف کرواتا ہے سائنس کا وہ موضوع نہیں ہے کہ تحقیق کر کے اس کے اوپر بات کرے۔ سائنس بالواسطہ اپنے طریقوں سے خدا کے وجود اور وحدانیت کے ہزارہا دلائل دے چکی ہے۔ سائنس نے اللہ کے وجود کو ماننے کے لیے data فراہم کر دیا۔ سائنس یہ بتاتی ہے کہ یہ یہ ہو رہا ہے مگر یہ کون کر رہا ہے؟ اس سوال کا جواب سائنس کے پاس نہیں ہے۔ مذہب یہ بتاتا ہے کہ اس سب کے پیچھے ایک خالق و مالک ہے جو اس تمام نظام کو چلا رہا ہے۔

۷۔ موضوع: اِنسانی نفسیات اور قرآنی شخصیتِ محمدی ﷺ (وحیِ اِلٰہی اور سیرتِ نبوی ﷺ کے مطالعہ کا نیا زاویہ)

۲۸ ویں شب رمضان/ 7 اپریل 2024ء کو شہر اعتکاف کی علمی و تربیتی نشست سے خطاب کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے فرمایا کہ آج کی گفتگو میں ہم قرآن مجید سے آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی شخصیت کے خاص لمحات و واقعات کا انتخاب کریں گے اور اس میں حقانیتِ خدا، حقانیتِ قرآن اور حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کی حقانیت کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ یہ گفتگو دو مقدمات پر قائم کریں گے: ایک مقدمہ ایمان کا ہے یعنی ہم بطور مسلمان اللہ رب العزت کے وجود، اس کی ذات و

صفات، اس کی قدرتوں، حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت اور قرآن مجید کے اللہ تعالیٰ کی وحی ہونے پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔ دوسرا مقدمہ کفر کا ہے۔ کفر کے مقدمہ کے مطابق نوجوان نسلوں کو یہ بتانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ خدا کا وجود ہی نہیں ہے۔ جب خدا موجود ہی نہیں تو پھر کوئی پیغمبر، نبی، وحی اور دین و مذہب بھی نہیں ہے۔ آج کی گفتگو میں ان دونوں مقدمات کا موازنہ کریں گے۔

آج معاشرے میں کفر اور اِنتشار پھیلا کر نوجوانوں کے ذہنوں میں یہ تصور پختہ کیا جارہا ہے کہ کوئی خدا ہے ہی نہیں۔ جو لوگ خدا کی ذات اور اس کے وجود کے منکر ہیں، وہ حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی رسول اور نبی نہیں مانتے۔ وہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ قرآن مجید کوئی اُلوہی کتاب نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے (معاذ اللہ) خود لکھی ہے۔ خود ہی (معاذ اللہ) رات کو سوچتے تھے اور صبح بیان کرتے تھے۔ گویا ان کے مطابق یہ کتاب اللہ نازل نہیں کرتا اور جس ہستی کو آپ اللہ کا نبی اور رسول مانتے ہیں وہ اللہ کے نبی اور رسول نہیں ہیں اور یہ مذہب بھی خود ہی بنا رکھا ہے۔

کفر کے اس مقدمہ کا موازنہ کرتے ہوئے ہم انسانی نفسیات کو سامنے رکھیں گے اور انسانی نفسیات کے اصولوں پر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شخصیتِ مقدسہ کا مطالعہ قرآن مجید کی روشنی میں کریں گے۔ ایمان کا مقدمہ جیتنے کے لیے قرآن کو اللہ کی کتاب ثابت کرنا ضروری ہے اور اللہ کے رسول کو سچا پیغمبر ثابت کرنا ضروری ہے۔ قرآن اگر اللہ کی نازل کردہ کتاب ثابت ہو جائے اور آقا علیہ السلام سچے نبی اور رسول ثابت ہو جائیں اور یہ کتاب قرآن ان کی لکھی ہوئی یا لکھوائی ہوئی نہ ہو تو اس امر سے اللہ کا وجود خود بخود ثابت ہو جاتا ہے کہ خدا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان کو درپیش حالات اور واقعات انسان کی طبیعت، مزاج، طرزِ فکر، طرزِ عمل اور رویے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان حالات و واقعات کے سبب انسان میں خوشی، غمی، غصہ، تعجب و حیرانی، نفرت، وحشت، شرمندگی، احساسِ فخر اور اطمینان کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ انسان ان مذکورہ کیفیات پر کچھ نہ کچھ ردعمل ضرور دیتا ہے۔ انسانی زندگی میں اللہ رب العزت نے یہ نفسیاتی نظام وضع کیا ہے اور کوئی شخص بھی ان چیزوں کے اثرات سے محفوظ نہیں ہے۔

انسانی نفسیات کے اس زاویہ سے اگر ہم کفر کے مقدمہ کا جائزہ لیں (جن کے نزدیک قرآن مجید (معاذ اللہ) حضور نبی اکرم ﷺ کی لکھی ہوئی اپنی کتاب ہے) تو ان کا دعویٰ سراسر جھوٹ ثابت ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید حضور نبی اکرم ﷺ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ ان پر نازل ہونے والی اللہ کی وحی ہے، اس امر کا ثبوت ہمیں قرآن مجید کے اندر سے آقا علیہ السلام کی شخصیت کے بعض گوشوں کے مطالعہ سے میسر آجاتا ہے۔

اس موقع پر شیخ الاسلام نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ابتدائی زندگی، اعلانِ بعثت، قرآن کی مثل لانے کا چیلنج، ہجرت حبشہ، حضرت خدیجہ اور حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہما کا انتقال، سفرِ طائف، شعبِ ابی طالب، غزوۂ احد، صلح حدیبیہ، ہجرتِ مدینہ، فتح مکہ، قرآن مجید میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ اور اس طرح کے کئی واقعات کا ذکر کیا کہ ان میں سے کئی واقعات ایسے ہیں کہ جنھیں قرآن نے بالکل بیان ہی نہیں کیا اور اگر کسی واقعہ کو قرآن مجید میں بیان بھی کیا گیا تو اس کا بھی صرف اجمالی ذکر کیا گیا ہے۔ اگر قرآن مجید حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنی لکھی ہوئی کتاب ہوتی تو علم نفسیات کی رو سے ان واقعات کے رونما ہونے کے اثرات کے پیش نظر حضور ﷺ ضرور اس وقت اپنے اوپر بیتنے والی کیفیات کا ذکر کرتے، مگر قرآن مجید اس حوالے سے ان واقعات یا ان کی جزئیات کو بیان نہیں کرتا۔

قرآن میں عمومی، واقعاتی اور حادثاتی نوعیت کی کیفیات نہیں ہیں، جذبات کی کیفیات نہیں ہیں، اگر یہ انسان کا کلام ہوتا اور اللہ کی نازل کردہ وحی نہ ہوتی تو ہمیں قرآن ایسا نہ ملتا۔ اگر کوئی تعصب کی نگاہ ہٹا کر اور ضد اور ہٹ دھرمی کی کو چھوڑ کر، دلائل کی روشنی میں عقلی، نفسیاتی، تحقیقاتی اور علم کی بنیادوں پر جائزہ لے تو اس کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ کہے کہ حق یہی ہے کہ یہ کتاب اللہ کی نازل کردہ ہے اور آقا علیہ السلام اللہ کے سچے نبی اور رسول ہیں۔ جب سچے نبی اور رسول ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ ہے۔ جب قرآن کا وحی الٰہی کی کتاب ہونا ثابت ہو گیا تو آقا علیہ السلام کی نبوت و رسالت سچی ثابت ہو گئی اور جب آقا علیہ السلام کا نبی اور رسول ہونا ثابت ہو گیا تو خدا کا ہونا ثابت ہو گیا۔ اب بھی کوئی اگر اللہ کو نہ مانے تو پھر یہ صرف انتشارِ فکری ہے۔

۸۔ موضوع: دین اور ادب

شہر اعتکاف میں شیخ الاسلام کے خطابات کی آخری نشست ۲۹ویں شب رمضان /8 اپریل 2024ء کو منعقد ہوئی۔ اس نشست سے شیخ الاسلام نے ”دین اور ادب“ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ خُلق کی تعریف یہ ہے کہ انسان کے اندر پائی جانے والی عمدگی، اچھائی اور خوبصورتی کو اندر سے باہر نکالنا تاکہ وہ چھپی اور دبی ہوئی صلاحیت نہ رہے بلکہ باہر نکل کر فطرت بالفعل (actual nature) بن جائے۔ اگر انسان کے افعال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اَوامر و اَحکام کے تابع ہو جائیں تو وہ فعل عملِ صالح بن جاتا ہے۔ آپ جو بھی عملِ صالح کر رہے ہوں اسے نہایت عمدہ اور خوبصورت لباس پہنا دیں تو وہ ادب بن جاتا ہے۔ کسی کو اُس کے حق یا ضرورت سے زیادہ

دینے کے عمل میں ناگواری کا نہ ہونا خُلقِ حسن اور ادبِ حسن کا طریق ہے۔ ہمارا پورا دین ادب سے لبریز ہے، جو بے ادب ہے گویا وہ بے دین ہے۔ اللہ تعالیٰ، اُس کے رسول ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اہل بیت علیہم السلام، بزرگانِ دین اور ہر مخلوق کے ساتھ معاملہ کا اہنا اپنا ادب ہے۔ افسوس! ہمارا تصورِ دین اور تصورِ زندگی ادب کے پورے تصور سے خالی ہو گیا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام بارگاہِ الٰہی کا ادب یوں بجالاتے کہ بیماری یا کمزوری کی نسبت اپنی طرف کرتے، جب کہ شفاء یابی اور اپنی کامیابی کو اللہ کی طرف منسوب کرتے۔ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کی ملاقات میں کشتی میں سوراخ کرنے کی نسبت حضرت خضر علیہ السلام نے اپنی طرف کی، جب کہ خزانے کی حفاظت کیلئے دیوار کی تعمیر کو ادباً اللہ رب العزت کی طرف منسوب کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے نمائندہ جادوگروں کے مابین ہونے والے مکالمے میں جادوگروں نے مقابلہ سے پہلے ادباً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ پہلے آپ اپنا عصا ڈالیں گے یا ہم؟ صرف اس ادب کے باعث اللہ تعالیٰ نے تمام جادوگروں کو ایمان کی دولت سے نواز دیا۔ روزِ قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ مسیحیوں کو آپ نے اپنی عبادت کے لیے کہا تھا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ادباً عرض کریں گے: مولا! اگر میں نے کہا ہوتا تو تو بہتر جانتا ہے۔ بارگاہِ الٰہی کے ادب کے باعث اُنہوں نے اپنی صفائی بھی پیش نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات میں آقا علیہ السلام کی بارگاہ کا ادب سکھایا ہے۔ آپ ﷺ کو عام لوگوں کی طرح بلانے، مخاطب کرنے یا عامیانہ انداز میں آپ ﷺ سے بات کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ چند بدو صحابہ کرام نے آقا علیہ السّلام کو حجرے کے باہر سے باآواز بلند پکارا تو اللہ رب العزت نے تنبیہ فرمائی کہ ان کو بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے ادب کا عقل و شعور ہی نہیں۔ آقا علیہ الصلاۃ والسلام

کی بارگاہ کے آداب آج بھی اُسی طرح قائم ہیں جیسا کہ آپ کی ظاہری حیات میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُمت کو بارگاہِ رسالت ﷺ کا ادب سکھایا اور بارگاہِ رسالت ﷺ کے ادب کو اپنا ادب قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اور آپ سے متعلق ہر چیز کا ادب ہم پر لازم ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ ظاہری حیات سے پردہ فرمانے کے باوجود زندہ ہیں۔

افسوس! آج ہم ادب سے اتنا دور ہو گئے ہیں کہ انبیاء، صحابہ کرام اور اولیاء کرام کی تعظیم و ادب کو شخصیت پرستی، شرک و بدعت اور خرافات قرار دے دیتے ہیں جبکہ ذخیرۂ حدیث میں صحابہ کرام کا آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے غایت درجہ تعظیم و ادب بجالانا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ امام بخاری نے الأدب المفرد میں باب باندھا ہے: صحابہ کرام کا آقا علیہ السلام کے ہاتھ اور پاؤں چومنے کا باب اور اسی طرح دیگر محدثین نے بھی یہ باب باندھا ہے۔ گویا بارگاہِ رسالت کا غایت درجہ ادب و تعظیم اجل محدثین کا مشرب تھا۔ صحابہ کرام صرف حاملِ ادب نہ تھے بلکہ وہ کمالِ ادب کا مرقع تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آقا علیہ السلام کے رشتوں اور آپ ﷺ کی نسبتوں کا بھی ادب و حیاء کرتے۔

بد قسمتی سے آج ہمارا دین؛ ادب سے خالی ہو گیا ہے۔ یہ تحریک منہاج القرآن کا طرۂ امتیاز ہے کہ اُس نے لوگوں کو ادب کا شعور دیا ہے اور دلیل کے ساتھ دیا ہے اور ادب سے معمور ایمان کا تصور دیا ہے اور دلیل کے ساتھ دیا ہے۔ جب حیا ہوتا ہے تو ادب ہوتا ہے، جب ادب ہو تو ایمان مکمل ہوتا ہے۔ ادب سے پہلے ایک درجہ آتا ہے جسے "خُلق" کہتے ہیں! انسان کے اندر اچھائی کی جو صلاحیت ہے، اس potential کو utilize کرنا اخلاق حسنہ کہلاتا ہے۔ جب یہ صلاحیت آپ کا عمل بن جائے اور اس میں پختگی آجائے تو اسے ''اخلاق'' کہتے ہیں اور جب ''اخلاق'' میں مزید خوبصورتی اور نکھار آجائے تو اسے ''ادب'' کہتے ہیں۔

اس موقع پر شیخ الاسلام نے صحابہ کرام، تابعین، ائمہ کرام اور صلحاء عظام کے متعدد واقعات سے ادب اور حسنِ اخلاق کے واقعات بیان کئے کہ ادب سیکھنے سے جو کچھ ملتا ہے وہ صرف علم سیکھنے سے نہیں ملتا۔ ادب کا ایک باب سیکھنا علم کے 70 باب سیکھنے سے بہتر ہے۔ دین کو بچانے کے لیے ہر ایک کے لیے واجب ہے کہ ادب کی طرف لوٹ آئے، ادب اور حیا کی قدریں پھر سے زندہ کریں، اور ان حدود کو قائم کریں جن حدودِ ادب کے ساتھ دین کی سلامتی ہوتی ہے۔ تحریک منہاج القرآن ادبِ دین کی تحریک ہے۔ میرا یہ دین کی پختگی کا پیغام، اللہ کے وجود پر ایمان لانے کا پیغام، خدا کو کیوں مانیں کی معرفت کا پیغام اور ادب سے معمور حقیقی دین کے فہم کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں، تاکہ آپ کی پوری زندگیاں دمِ آخر تک ادب سے منور ہو جائیں اور اس سے آپ کے دین کی حفاظت ہو۔

شہرِ اعتکاف میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری
ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، شیخ حماد مصطفی المدنی القادری کے خطابات

ہر اعتکاف میں ”اصلاحِ احوال اور آدابِ زندگی“ کے عنوان سے منعقدہ تربیتی نشستوں سے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کے خطابات

منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے شہر اعتکاف میں ”اصلاحِ احوال اور آدابِ زندگی“ کے عنوان سے منعقدہ خصوصی تربیتی نشستوں سے درج ذیل موضوعات پر خطابات ارشاد فرمائے:

ا۔ موضوع: الزھد والجوع

چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے شہر اعتکاف میں ہونے والے خطابات کی پہلی تربیتی نشست (۲۱ رمضان المبارک) سے گفتگو کرتے ہوئے اہل معرفت، اہل قربت اور اہل تصوف کے ہاں الجوع کے تصور کو واضح کیا کہ اللہ کی خاطر نفس کو بھوکا

رکھنے کا نام جوع ہے۔ خواہ فاقہ کشی اور کم خوری کے باب میں ہو یا جملہ میلانات و رغبات کے باب میں۔ جوع اور زہد کے درمیان فرق ہے۔ نفس کے میلانات سے الگ ہونا جوع ہے جبکہ دل کے میلانات سے الگ ہونا زہد ہے۔ جوع کا مقصد اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندگان خدا اپنی جانوں، اپنے میلانات اور اپنے رجحانات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں ان چیزوں کی خود ضرورت ہی کیوں نہ ہو۔ حتی کہ وہ اپنی خواہشات اور ضروریات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ وہ خود تو بھوکے رہتے ہیں لیکن دوسروں کو بھوکا نہیں رہنے دیتے۔

بھوک اور جوع اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ حتی کہ ایمان کی حقیقت زہد اور جوع میں ہے۔ جوع انسان کے لیے آزمائش ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت میسر آتی ہے تو وہ بھوک سے آزماتا ہے۔ لہذا اس آزمائش میں کامیاب ہونے کے لیے اللہ والوں کی سنگت میں جڑ جانا اور استقامت کے ساتھ جڑے رہنا انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ یہی اللہ والے ہیں جو خود تو بھوک پیاس برداشت کرتے ہیں لیکن دوسروں کو کھلاتے اور پلاتے ہیں۔ جسے جوع مل گئی اسے تواضع وانکساری مل گئی اور جسے تواضع وانکساری مل گئی، اسے گریہ وزاری مل گئی اور جسے گریہ وزاری مل گئی، اسے مقصد حیات مل گیا اور یہی مقصد حیات رب کی بارگاہ میں پہنچا دیتا ہے۔ آج کے دور میں جہاں دل کی رغبتیں دنیا کے مال واسباب میں گم ہیں ان رغبتوں کو دنیوی مال واسباب سے الگ کر کے مولا کی طرف پھیرنے کے لیے شہر اعتکاف سجایا جاتا ہے۔

جس کو جس شے سے محبت، لگن، چاہت اور الفت محسوس ہوتی ہے اس کے لیے اس شے میں جوع ہے۔ یعنی اگر کسی کو کپڑے پسند ہیں تو اس کی جوع کپڑے ہیں، کسی کو خوراک میں رغبت ہے تو اس کی جوع اس خوراک میں ہے۔ کسی کو مال و دولت میں دلچسپی ہے تو اس کی جوع مال و دولت ہے۔ کسی کو سیاست، عہدوں اور ناموری سے پیار ہے تو اس کی جوع اسی میں ہے لیکن جب اس کی نفسانی خواہشات دنیوی معاملات سے ختم ہو گئیں اور وہ رب کا شکر گزار بندہ بن گیا تو اس کی جوع رضائے الٰہی بن گئی۔

ظاہر کی جوع یہ ہے کہ نفس ظاہری میلانات، رجحانات اور رغبتوں سے پاک ہو جائے اور باطنی جوع یہ ہے کہ نفس باطنی میلانات، رجحانات اور رغبتوں سے پاک ہو جائے۔ جو شخص دنیا سے کٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اللہ اسے وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا اور جو دنیا کے سپرد ہو جاتا ہے تو آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ جس کے پاس دنیا کی مال و دولت دیکھیں تو سمجھیں وہ دنیا کے سپرد ہو گیا ہے۔ جس پر دنیا راضی ہو جائے اس سے خدا ناراض ہے اور جس

سے دنیا ناراض ہو جائے یعنی وہ تنگدستی کا شکار ہو تو سمجھ لیں رب اس پر راضی ہے اور وہ جوع کی آزمائش میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اگر دنیا کی رضا میں اللہ کی رضا ہوتی تو انبیاء کرام علیہم السلام، اصحاب رسول رضی اللہ عنہم اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کے پاس دنیا کے مال و دولت کی کثرت ہوتی۔

۲۔ موضوع: دل کیا ہوتا ہے اور انسانی جسم میں اس کی اہمیت کیا ہے؟

شہر اعتکاف کی دوسری نشست (۲۴ رمضان المبارک) سے چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دل کی اہمیت کا اندازہ یہاں سے ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں 133 مقامات پر قلب یعنی دل کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کو دل سے کتنا پیار ہے۔ حدیث مبارک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے جسموں اور صورتوں کی طرف نہیں دیکھتا، بلکہ دل کو دیکھتا ہے۔ وہ دل کے احوال رجحانات، میلانات اور رغبات کا معائنہ کرتا رہتا ہے۔ اللہ رب العزت نے دل کے چار خانے بنائے ہیں جن کی ذمہ داری یہ ہے کہ یہ جسم میں موجود گندے خون کو جذب کرنے کے بعد اس کی تطہیر کر کے اور اسے گندگی سے پاک صاف کر کے دوبارہ جسم میں واپس بھیجتے ہیں تاکہ جب وہ صاف ستھرا خون دماغ اور دیگر اعضا تک پہنچے تو وہ عضو توانا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیکھنے کے لیے دو آنکھیں، سماعت کے لیے دو کان، پکڑنے کے لیے دو ہاتھ، چلنے کے لیے دو پاؤں حتی کہ جسم کے اندر دو پھیپھڑے اور دو گردے بنائے یعنی زندگی کا نظام چلانے کے لیے ہر شے کو جوڑے کی شکل میں پیدا کیا مگر اس نے اپنے لیے ایک شے بنائی جسے قلب کا نام دیا گیا ہے۔ دل نے پوچھا کہ مولا میرا جوڑ کہاں ہے؟ فرمایا اے دل تجھے میں نے اپنے ساتھ جوڑا۔ اس لیے کہ میں بھی ایک ہوں اور تجھے بھی اکیلا پیدا کیا تاکہ اپنے ساتھ جوڑ سکوں۔

دل کے بگڑنے اور سنورنے پر ہی زندگی کا دارومدار ہے۔ حدیث مبارک میں دل کو جسم کا ایک ایسا لوتھڑا کہا گیا کہ اگر وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جائے اور اگر وہ ٹھیک رہے تو سارا جسم سلامت رہتا ہے۔ دل جسم کے باقی اجزاء کا سردار ہے یعنی دل بادشاہ ہے اور باقی جسم کے تمام اجزاء اس کی فوج ہیں۔ اگر بادشاہ خیر اور بھلائی پر قائم رہا تو سمجھ لو اس کی پوری فوج خیر پر گامزن ہو گی اور اگر بادشاہ کرپٹ اور بدعنوان ہو گیا تو ساری فوج کرپٹ ہو جائے گی۔ گویا باطن کا سارا دارومدار دل پر ہے۔

دل کی اقسام میں سے قلب سلیم اسے کہتے ہیں جس کے آئینے میں جلوہ خدا ہو اور نفع مند وہ شخص ہو گا جو قلب سلیم کے ساتھ بارگاہ خدا میں حاضر ہو گا۔ قلب منیب اس دل کو کہتے ہیں جو

خدائے رحمان سے ڈرتا رہے اور خشیت و خوف کی حالت میں رب کی بارگاہ میں پیش ہو۔ قلب متقی وہ ہوتا ہے جو اللہ رب العزت کی نشانیوں کی تعظیم کرتا رہا اور اسی حال میں اس کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ قلب مطمئن وہ ہے کہ جب بندہ اللہ رب العزت کا ذکر کرتا ہے تو اس حال میں اس کا دل اطمینان کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ قلب خائف وہ ہے کہ جو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیش ہونے سے ڈرتا ہے اور قیامت کے دن بھی خشیت سے دھڑکتا رہے گا۔ یہ دل اگر بیدار ہو جائے تو قلبی حیی ہے اگر مردہ ہو جائے تو اسے قلب میت کہتے ہیں۔ قلب میت وہ ہوتا ہے جو نہ دیکھ سکے اور نہ سمجھ سکے۔ اس لیے فرمایا جن کے دل میت بن گئے ان پر محنت کی ضرورت نہیں۔ قلب مریض پر محنت کریں تاکہ وہ قلب سلیم میں تبدیل ہو سکے۔

اللہ رب العزت نے دل کے ساتھ روح اور نفس کو بھی جوڑا ہے۔ جس کے دل پر روح کا قبضہ ہو گیا، وہ رحمانی ہو جائے گا اور جس کے دل پر نفس کا قبضہ ہو گیا، وہ نفسانی اور شیطانی ہو جائے گا۔ اللہ والوں کے دل قلب منیب ہوتے ہیں اور قلب منیب میں مقناطیسیت ہوتی ہے جو بھی ان کی مجلس میں بیٹھتا ہے اس کے دل پر بھی کرم طاری ہو جاتا ہے۔

حضرت عطاالسکندری سے پوچھا گیا کہ دل کو قلب حی اور قلب سلیم کیسے کریں کہ وہ معرفتِ الٰہی کے قابل ہو جائے؟ آپ نے فرمایا کہ اے بندے اگر تو اپنے دل کو بارگاہ الٰہیہ میں قربت کے مقام تک پہنچانا چاہتا ہے تو اپنے وجود کو گمنامی کی زمین میں دفن کر دے، اپنے ہونے کے احساس کو مٹا دے اور اپنے جاہ و منصب کے تصور کو فنا کر دے تو تیرا دل زندہ ہو جائے گا اور تو ہر طرح کے فتنہ و فساد سے محفوظ ہو جائے گا۔

۳۔ موضوع: دل کی اصلاح کیسے ہوتی ہے؟

چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے شہر اعتکاف میں تیسری تربیتی نشست (۲۷ رمضان المبارک) سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اللہ رب العزت نے انسان کو دو راستے دکھا دیئے؛ ایک برائی کا راستہ ہے اور دوسرا اچھائی کا۔ پھر انسان کے نفس اور اس کی جبلت اور سرشت میں برے کاموں کی کشش بھی رکھ دی اور نیکی، تقویٰ اور طہارت کی کشش بھی رکھ دی۔ پھر برائی اور فسق و فجور کے راستے پر چلانے کے لیے شیطان کو بھی کھلا اذن دے دیا اور تقویٰ و طہارت اور نیکی کے راستے پر قائم و دائم رکھنے کے لیے اولیاء و صالحین کی صحبت و سنگت بھی عطا کر دی۔ جب دونوں مواقع یعنی لیول پلینگ فیلڈ عطا کر دی تو پھر فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ (الشمس ۹۱: ۹، ۱۰)

کامیاب وہی ہوگا جو اپنے نفس کی اصلاح کر کے تقویٰ و نیکی کے راستے پر چل پڑا۔ اور جو شہواتِ نفسانی کی آڑ میں برائی کے راستے پر چلا تو وہ نامراد ہوا۔

ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں پر نفس کا غلبہ ہو جاتا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کے دل متقی اور مطمئن رہتے ہیں اور ان پر روح کا غلبہ ہوتا ہے۔ ان کے دل سلیم اور منیب ہو جاتے ہیں۔ ایسے دل اپنے مولا کے علاوہ کسی کو نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ یہ ایسے دل ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا برتن کہا ہے اور یہ دل محبین، اولیاء، صالحین، متقین اور صوفیاء کے دل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دل کو اپنا برتن کہا ہے۔ برتن میں کھانا تب ڈالا جاتا ہے جب وہ صاف ہو۔ ہم ایک وقت میں جس برتن میں کھانا کھالیں تو اسے دھوئے بغیر دوسرے وقت کا کھانا نہیں ڈالتے تو کیا وہ رب اپنے برتن میں اپنا نور ڈالتے ہوئے دیکھتا نہیں ہوگا کہ یہ دل صاف ہے یا نہیں۔ لہذا اپنے دلوں کے برتنوں کو غیر کی چاہت، برائی اور غلاظت سے پاک صاف رکھا کرو تاکہ اللہ رب العزت ان میں اپنا نور ڈال سکے۔

شہر اعتکاف میں ''تاریخ تصوف اور تعلیماتِ صوفیاء'' کے عنوان سے منعقدہ تربیتی نشستوں سے ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کے خطابات

منہاج القرآن انٹرنیشنل کے صدر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے شہرِ اعتکاف میں ''تاریخ تصوف اور تعلیماتِ صوفیاء'' کے عنوان سے منعقدہ تربیتی نشستوں سے درج ذیل موضوعات پر خطابات ارشاد فرمائے:

ا۔ موضوع: تصوف اور تعلیمات صوفیاء

صدر تحریک منہاج القرآن صاحبزادہ ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے شہر اعتکاف میں ہونے والے خطابات کی پہلی تربیتی نشست (۲۲ رمضان المبارک) سے ''تصوف اور تعلیمات صوفیاء'' کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ تصوف سے متعلق مختلف نظریات رکھنے والے چار طبقات ہیں:

پہلا طبقہ وہ ہے جس کا نظریہ یہ ہے کہ تصوف کا اصل دین سے کوئی تعلق نہیں اور یہ طبقہ لوگوں میں تصوف سے متعلق اشکال پیدا کرتا ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو صوفیاء کا کلیتاً انکاری تو نہیں مگر یہ صوفیاء کو نظر انداز کرتا ہے اور انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جس نے صوفیاء اور تعلیماتِ تصوف کے نام پر وہ کچھ متعارف کروایا جس کا تصوف و صوفیاء سے کوئی تعلق ہی نہیں بلکہ اس کا تعلق ذاتی و معاشی معاملات سے ہے تاکہ وہ تصوف کے نام پر اپنی معاشی حالت کو سدھار سکیں۔ چوتھا طبقہ وہ ہے جو اصل صوفیاء کا ہے جنھوں نے تصوف کو صرف کلام نہیں سمجھا بلکہ تعلیماتِ تصوف کو اپنی عملی زندگیوں میں شامل کیا۔

اگر کوئی پوچھے کہ حضور ﷺ کے دور میں تصوف کا نام نہیں تھا تو جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے دور میں ہر صحابی صوفی تھا، اس لیے تصوف کے الگ نام کی حاجت ہی نہ تھی۔ آج کے دور میں اچھے اور برے میں فرق پیدا کرنے کے لیے لفظ تصوف ایجاد ہوا۔ جیسے حضور ﷺ کے دور میں قرآن مجید کو سننے والا ہر کوئی عربی تھا تو قرآن کو اعراب دینے کی ضرورت نہ تھی۔ پس قرآن مجید کو غیر عرب لوگوں تک پہنچانے کے لیے اعراب کی ضرورت پڑی۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صوفیانہ تعلیمات کو دور دراز علاقوں تک پہنچانے کے لیے لفظِ تصوف کی ضرورت پڑی۔

تصوف ایک جامع اصطلاح ہے جس کے ذیل میں بہت سے عنوانات آتے ہیں۔ جیسے آج سے 30 سال پہلے MBA جامع ڈگری ہوتی تھی جس میں بزنس اور مینجمنٹ کی تمام تعلیمات جمع تھیں۔ لیکن آج کے دور میں MBA کی تعلیم میں شامل بہت سارے علوم و فنون الگ الگ حیثیت سے معرض وجود میں آگئے ہیں۔ یہی حال آج کے دور میں تصوف کا ہے۔ لوگوں نے اپنے اپنے کاروبار اور اپنی اپنی دکان چلانے کے لیے تصوف کے مختلف عنوانات اپنا رکھے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ آج کے دور میں تصوف نالائق لوگوں کے ہاتھ چڑھ گیا ہے۔ جیسے ایک نالائق پروفیسر طلبہ کو ڈھونڈتا ہے جبکہ لائق پروفیسر کو طلباء ڈھونڈتے ہیں، اسی طرح جعلی صوفی؛ پیر کے روپ میں مریدوں کو ڈھونڈتا ہے جبکہ حقیقی صوفی کو مرید ڈھونڈتے ہیں۔

۲۔ موضوع: تصورِ فنا و بقا اور انسانی زندگی

صدر تحریک منہاج القرآن ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے دوسری تربیتی نشست (۲۵ رمضان المبارک/جمعۃ الوداع) سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ صوفیاء کے ہاں فنا کا تصور ایک تبدیلی کا رونما ہونا ہے۔ گویا قربتِ حق کے حصول میں انسان کے اندر نفسیاتی، انفرادی، شخصی اور اجتماعی تبدیلی رونما ہونا

فنا ہے۔ راہ حق کے طالب اور سلوک و معرفت کے حصول کے خواہشمند کے لیے تصور فنا؛ نہایت موثر کردار ادا کرتا ہے اور تصور فنا انا پرستی، ذات کی نفی اور اپنی خودی سے ماوراء ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ شیخ ابن العربی فنا سے متعلق فرماتے ہیں کہ فنا سے مراد وجود کا مٹ جانا نہیں بلکہ یہ تبدیلی کا ایک عمل ہے جس میں بندہ اپنے نفس کی زنجیروں کو توڑ کر خدا کے اوصاف سے مزین ہو جاتا ہے۔ گویا انفصالِ نفس کی حالت سے اتصالِ حق کی حالت میں تبدیل ہونا فنا ہے۔ فنا کا سفر حق کی راہ کے متلاشیوں کی حقیقت ہے۔

فنا کے سفر میں جو چیز سب سے زیادہ کارآمد اور معاون ثابت ہوتی ہے وہ عشق ہے۔ عشق فنا کے حصول کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ تصور فنا میں عشق کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کیونکہ عشق repair (مرمت) نہیں کرتا بلکہ Restruct (تعمیر نو) کرتا ہے۔ اس فنا کے بعد بقا ملتی ہے۔ لہذا جس کو عشق نہ ہوا، اس نے فنا کا مزہ ہی نہ چکھا۔ لہذا جو اپنی انا کو، اپنے تجربے کو، اپنی خواہشاتِ نفسانی کو فنا کر کے ''باقی'' کی طرف تعلق جوڑ لیتے ہیں تو اللہ رب العزت انہیں ایک ایسا نور عطا کرتا ہے کہ پھر ان کے ساتھ جو بیٹھتا ہے اسے بھی نور والا بنا دیتے ہیں۔ فنا و بقا میں پہلا مرحلہ خود شناسی اور خود آگہی کا ہے کہ بندہ اس کے ذریعے اپنے اندر پائی جانے والی خامیوں اور خرابیوں کو پہچانتا ہے۔ دوسرا مرحلہ تزکیہ نفس ہے۔ انسان تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب و باطن کے ذریعے فنا کا سفر شروع کرتا ہے اور بقا کی منزل تک پہنچتا ہے۔ تیسرا مرحلہ جذب ہے جو عشق کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب و باطن سے پہلے عشق ہو جائے تو وہ عشق نفسانی ہوتا ہے لیکن تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب و باطن ہو جانے کے بعد جو عشق ہوتا ہے وہ رحمانی ہوتا ہے۔ چوتھے مرحلے میں کشف اور حجابات کا درجہ آتا ہے۔ اب اس مرحلے میں اللہ رب العزت براہ راست آزمائشوں کے ذریعے انسان کی تربیت کرتا ہے۔

جو بندہ صرف اپنے لیے جیتا ہے وہ فنا ہو جاتا ہے اور جو دوسروں کی خدمت کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے وہ باقی ہو جاتا ہے۔ فنا و بقا صرف تصوف سے متعلقہ موضوع نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے کیونکہ اللہ رب العزت کائنات کی ہر شے کو فنا و بقا کے مرحلوں سے گزارتا ہے۔

۳۔ موضوع: تصوف کے اجزاء

ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے تیسری تربیتی نشست (۲۸ رمضان المبارک) سے خطاب کرتے ہوئے تصوف کے اجزاء بیان کیے کہ حقیقت میں تصوف کن چیزوں سے مل کر بنتا ہے۔ ان میں سے سب سے پہلی چیز محبتِ الٰہی ہے۔ صوفیاء کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ

اپنے جان و مال سے، اپنے اہل و عیال سے اور اپنی روزمرہ زندگی کی آسائش و راحت سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں اور یہی تصوف کی تعلیمات ہیں اور تصوف کا لازمی جزو ہیں۔ ان کی محبت، ان کی کسی سے نفرت، دوستی و دشمنی، رہن سہن، پسند و ناپسند، رغبت اور دوری حتی کہ ان کے تمام احساسات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی بنیاد ہوتے ہیں۔ وہ اپنے نفس کے مطابق نہیں چلتے بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے تابع زندگی گزارتے ہیں۔ ان کی پسندیدگی کی بنیاد نفس کی خواہش نہیں ہوتی بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا ہوتی ہے۔

تصوف کے اجزاء میں سے دوسرا جز عبادت ہے۔ کثرتِ نوافل قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں اور لوگ نماز تراویح کی رکعتوں پر اعتراض اٹھاتے ہیں، کس قدر حیران کن بات ہے۔ حالانکہ اللہ کا حکم ہے کہ جو کثرت نوافل کو اپنی زندگی کا شعار بناتا ہے تو اللہ ان کو اپنے قرب کی عظمتوں سے نوازتا ہے اور صوفیاء اسی کی تعلیم دیتے ہیں۔

صوفیاء کی زندگی میں صدق و اخلاص اس درجے پر ہوتا ہے کہ عام انسان اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ صوفیاء اور عام انسانوں کی زندگی میں فرق ''اخلاص'' ہے اور یہی اخلاص تصوف کا تیسرا جزء ہے۔ اس لیے کہ صوفیاء وہ لوگ ہیں جنہوں نے توبہ کر لی اور اللہ سے مضبوط تعلق جوڑ لیا اور اپنا دین اللہ کے لیے خالص کر لیا۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم سے نوازتا ہے۔

تصوف کی تعلیمات کا چوتھا جزء اعمالِ صالحہ ہیں۔ صوفیاء کی زندگی میں نظر آنے والے اعمال صالحہ عین دین ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سکھایا ہے۔ اس لیے کہ صوفیاء کی نگاہ اپنے باطن کی طرف رہتی ہے۔ وہ دوسروں کی کمزوریوں اور خامیوں پر نگاہ نہیں ڈالتے اور نہ ہی دوسروں کو judge کرتے ہیں لیکن جو ان کی صحبت میں آجائے تو اس کو ہدایت کے راستے پر ڈال دیتے ہیں۔ صوفیاء کی ایک خاص صفت یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں پر تنقید نہیں کرتے اور نہ ہی دوسروں کی عیب جوئی کرتے ہیں۔

زہد اور دنیا سے بے رغبتی صوفیاء کی زندگی کا ایک اہم جز ہے۔ اگر کوئی کہے زہد اور دنیا سے بے رغبتی اضافی عمل ہے اور دین اس کا تقاضا نہیں کرتا تو یہ غلط ہے، اس لیے کہ یہ سب کچھ قرآن و سنت کے عین مطابق ہے۔ افسوس کہ ہم نے دین کو سمجھا ہی نہیں۔ جو چیز آسان لگتی ہے اس کو دین مان لیا لیکن جو چیز قرب الٰہی کے راستے میں مشکل پیدا کرے، اسے خارج از دین کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم فتویٰ کی طرف دوڑتے ہیں اور تقویٰ کے مسافر نہیں بنتے جبکہ صوفیاء فتوے کی روش کو چھوڑ کر تقوے کی راہ کے مسافر بن جاتے ہیں۔

شہرِ اعتکاف میں ’’راہ محبت و شوق میں تعلق باللہ کے مختلف زاویے اور راستے‘‘ کے عنوان سے منعقدہ نشستوں سے شیخ حماد مصطفی المدنی القادری کے خطابات

ا۔ موضوع: تعلق باللہ کا راستہ

صاحبزادہ شیخ حماد مصطفی المدنی القادری نے شہر اعتکاف کی پہلی تربیتی نشست (۲۳ رمضان المبارک) سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تعلق باللہ کا راستہ ایک ایسا راستہ ہے جس راستے سے اولیاء کاملین گزرے۔ حضور قدوۃ الاولیاء بدرجہ اتم گزرے اور اسی راستے سے شیخ الاسلام نہ صرف گزر رہے ہیں بلکہ ہمیں بھی اس راستے سے گزار رہے ہیں۔ کیونکہ کاملین کا یہ درجہ ہوتا ہے کہ وہ اس راہ محبت و شوق، راہ جستجو و آرزو، راہ عشق، راہ تقویٰ و پرہیز گاری، راہ قناعت، راہ زہد و ورع سے نہ صرف خود گزرتے ہیں بلکہ اپنے پاس بیٹھنے والوں کو بھی گزارتے ہیں۔ تصوف کی ابتداء بھی ایک سفر سے ہوتی ہے۔ یہ سفر کبھی بیاباں اور بنجر زمین کا ہوتا ہے اور کبھی ویران صحراؤں کا، کبھی یہ سفر غیر آباد بستیوں اور شہروں کا ہوتا ہے۔ جوں جوں سالک اور متصوف اس سفر عشق و محبت میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے تو یہ سفر بیابان و بنجر زمین سے رفتہ رفتہ سبز و شاداب باغات کی طرف چلا جاتا ہے اور بالآخر اپنے نقطہ کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ ہم نے اسی راہ محبت و شوق کا مسافر بننا ہے اور اسی راہ محبت و عشق پر گامزن ہونا ہے۔

ہمارا یہ مقام، کیفیت اور حال ہے کہ ہم آسودگی آرام اور سہولت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم خدا کو تلاش کر رہے ہیں۔ ہمارے لیے یہی فارمولا ہے کہ ہم اپنے دلوں میں خلوت نشینی اختیار کریں۔ ہمیں اپنے دلوں میں ڈوب کر خدا کو پانا ہے۔ اپنے ویران اور اجڑے ہوئے دیار میں اللہ رب العزت کی تلاش میں اسی کا ذکر کرتے کرتے اس کو پانا ہے۔ اللہ رب العزت اسی کو اپنے راستے کی طرف ہدایت عطا فرماتا ہے جو اس کی جانب مجاہدہ و ریاضت اور محنت و مشقت کرتے ہیں اور جو یہ جہد مسلسل نہیں کرتے انہیں کبھی اپنی طرف آنے والے راستوں کی طرف ہدایت عطا نہیں فرماتا۔

کسی کو اللہ رب العزت کی قربت طریقِ عشق سے ملتی ہے، کسی کو طریقِ معرفت، کسی کو طریقِ زہد وورع سے ملتی ہے اور کسی کو تقویٰ و پرہیز گاری کی روش سے ملتی ہے مگر ان راستوں پر چلنے والوں کو قربت ضرور ملتی ہے۔ اللہ کی یاد میں اشک بہانا بھی اس کی قربت کا ذریعہ ہے جسے بکاء کہتے ہیں لیکن اگر دل سخت ہو جائیں تو بکاء نصیب نہیں ہوتی۔ شہر اعتکاف میں آنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہم قربت الٰہی میں خود کو جمالیں، عشق و محبت الٰہی میں خود کو جلالیں مگر اس کے لیے اپنی خواہشات و شہوات کو پیس کر ریزہ ریزہ کرنا پڑے گا، تب اللہ کا قرب نصیب ہو گا۔ جو اللہ رب العزت کی یاد میں محو نہیں ہوتے تو اللہ رب العزت انہیں کچھ عطا نہیں فرماتا اور جو اس کی راہ میں ہو جائیں تو انہیں اپنی لذت دیدار بھی عطا فرما دیتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ہم صبح و شام اس کی آرزو، جستجو اور شوقِ دیدار میں بسر کریں۔ یہی ایک راستہ ہے جس سے ہمیں اپنی منزل مقصود مل سکتی ہے۔

۲۔ موضوع: محبتِ الٰہی اور شوقِ دیدار

صاحبزادہ شیخ حماد مصطفی المدنی القادری نے شہر اعتکاف کی دوسری تربیتی نشست (۲۶ رمضان المبارک) سے محبت الٰہی اور شوق دیدار کے موضوع پر گفتگو کی اور ان ہستیوں کا ذکر کیا جن کو اللہ رب العزت نے اپنے دیدار اور مشاہدہ سے نوازا۔ جو لوگ اس کی محبت اور شوق دیدار کے مسافر بنتے ہیں، انہیں مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر بدقسمتی یہ ہے کہ ہم یہ احوال کیفیات اور مقامات بھی چاہتے ہیں مگر ان احوال و کیفیات اور مقامات کو حاصل کرنے کے لیے جو قربانیاں درکار ہیں، وہ قربانی دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جو شخص محبت الٰہی کا مزہ چکھ لیتا ہے وہ دنیا سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے دلوں پر کئی پردے ہیں جو اللہ اور ہمارے درمیان حائل ہیں۔ یہ رکاوٹیں جاہ و منصب کی طلب، نفس کی خواہشات اور دل کے امراض ہیں۔

اللہ بندے کے دل میں جھانک کر دیکھتا ہے کہ کیا اس کے دل میں صفائے قلب ہے، طہارت اور پاکیزگی ہے، کیا اس کے دل میں میرے سوا کوئی اور خواہش، جستجو اور آرزو تو نہیں۔ اگر ہے تو اس دل میں اللہ اپنا جلوہ نہیں فرماتا۔ لہذا جو لوگ اپنے دلوں کو اللہ کے سوا ہر چیز کی چاہت سے خالی کر لیتے ہیں، صاف ستھرا اور طاہر کر لیتے ہیں، تب اللہ ان کے دلوں میں اپنی محبت ڈالتا ہے۔ جبکہ ہمارا یہ حال ہے کہ ہم نے دنیوی مال و دولت کے چند ٹکوں کے عوض محبت الٰہی کو پس پشت ڈال دیا، آخرت بیچ ڈالی، اللہ کا مشاہدہ بیچ دیا اور اللہ کے دیدار کی نعمت کو بیچ دیا۔ عشاق اور محبین کے احوال اور انداز جدا ہوتے ہیں، ان کی گفتگو کے انداز جدا ہوتے ہیں، طرزِ سوچ اور طرزِ عمل جدا ہوتا ہے حتی کہ تعلق باللہ کا عمل بھی جدا

ہوتا ہے۔ان کے طرز عمل میں یکسوئی ہوتی ہے جو کہ دعویٰ محبت کو خالص کرنے کے لیے ضروری ہے اور جب دعویٰ محبت خالص ہو تو پھر انجام سے غرض نہیں ہوتی۔ پھر ستر سال کی عبادت کے رد ہونے پر بھی بندہ خوشی سے جھوم اٹھتا ہے۔

ہمارا اللہ سے تعلق اتنا کمزور، نحیف اور حساس ہے کہ جب ہمیں نعمت ملتی ہے تو خوش ہو جاتے ہیں اور کوئی نعمت چھن جائے تو ناراض ہو جاتے ہیں۔ امام جعفر الصادق سے پوچھا گیا کہ آپ کا مشاہدہ کیسا ہوتا ہے؟ فرمایا میں ایسا عبادت گزار نہیں ہوں کہ میں اس رب کی عبادت کروں جو مجھے نظر نہ آئے۔ اس شخص نے تعجب کیا کہ آنکھیں تو اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتیں۔ فرمایا: ہاں! ان آنکھوں نے تو رب کو نہیں دیکھا مگر یہ مشاہدہ ایمان اور دل کی حقیقت کے ذریعے ہوتا ہے۔ گویا جو اللہ کے برگزیدہ لوگ ہوتے ہیں، ان کے دل میں اللہ کا نور ہوتا ہے، جس سے وہ مشاہدہ کرتے ہیں۔

۳۔ موضوع: توبہ

صاحبزادہ شیخ حماد مصطفی المدنی القادری نے شہر اعتکاف کی تیسری تربیتی نشست (۲۹ رمضان المبارک) سے توبہ کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ واپسی کے سفر کو توبہ کہتے ہیں یا پلٹ کر اصل مقام کی طرف واپس آنے کو توبہ کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی اپنے اصل مقام سے کسی دوسرے مقام کی طرف سفر کرتا ہے تو لامحالہ اس نے اپنا کام کر کے واپس اپنے اصل مقام کی طرف

ضرور آنا ہے کیونکہ جو مستقل ٹھکانہ ہوتا ہے، انسان بالآخر وہیں پلٹ کر آتا ہے۔ توبہ ایسا سفر ہے جس کے ذریعے انسان اپنی اصل منزل یعنی بارگاہ الٰہی تک پہنچتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنی طرف سفر کرنے والوں سے فرمایا ہے کہ اگر مجھ تک پہنچنا ہے اور میری رضا حاصل کرنی ہے تو سچی توبہ کرو اور لغزشوں سے پاک صاف ہو کر میری طرف لوٹو۔ اس کے لیے اصلاحِ احوال ناگزیر ہے۔ لہذا توبہ کرنے کے بعد اپنے احوال کی بھی اصلاح ضروری ہے۔ کیونکہ جو توبہ کرے مگر اس کے بعد اپنی اصلاح نہ کرے تو اس نے توبہ کا حق ادا نہ کیا۔

توبہ کے ارکان میں سے غفلت سے بیداری سب سے بڑا رکن ہے کیونکہ غفلت توبہ کے سفر میں رکاوٹ ہے۔ غفلت کی حالت میں انسان کو محسوس نہیں ہوتا کہ میں خدا کی نافرمانی کر رہا ہوں۔ اگر غفلت سے بیداری نصیب ہو جائے تو اسے توبہ کہتے ہیں۔

توبہ کا دوسرا رکن ندامت ہے۔ آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم گناہوں پر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں مگر ندامت تک نہیں ہوتی۔ لہذا اگر جرم و گناہ کے بعد ندامت محسوس کریں تو سمجھ لیں توبہ کا سفر شروع ہو گیا ہے۔

توبہ کا تیسرا رکن تزکیہ نفس ہے کہ بندہ خود کو گناہوں سے پاک صاف کر لے اور دوبارہ گناہوں کی طرف پلٹ کر نہ جائے۔ زبان، ہاتھ، کان، پاؤں گناہ میں ملوث ہیں تو ان کو گناہوں سے پاک صاف کر لینے کو تزکیہ نفس کہتے ہیں۔

توبہ کا چوتھا رکن پختہ ارادہ ہے۔ پختہ ارادہ سے مراد یہ ہے کہ جب زبان سے توبہ کی ہے تو اب انسان لغزش، نافرمانی اور گناہوں کو چھوڑ دے اور پختہ ارادہ کرے کہ پلٹ کر دوبارہ اس عمل کی طرف نہیں لوٹنا۔

گناہوں سے ہجرت کرنا، توبہ کا پانچواں رکن ہے جو صحبت گناہ کی طرف مائل کرے اس سے ہجرت کر لینا توبہ ہے۔

قیامت تک اللہ تعالیٰ نے انسان کی توبہ قبول کرنی ہے حتی کہ نزع کے وقت بھی اگر انسان توبہ کر لے تو اللہ قبول فرما لیتا ہے۔ مرتے دم تک ہمارا توبہ نہ کرنا ہماری خطا ہے اور مرتے وقت توبہ قبول کرنا خدا کی سخا ہے۔ توبہ کی توفیق نہ ملنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم اپنے احوال و معاملات میں آزاد ہیں۔ ہم نے خود کو احکامِ الٰہیہ کا پابند نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ آزادی نافرمانی کا سبب بن چکی ہے، جس کی وجہ سے ہم توبہ سے محروم رہتے ہیں۔

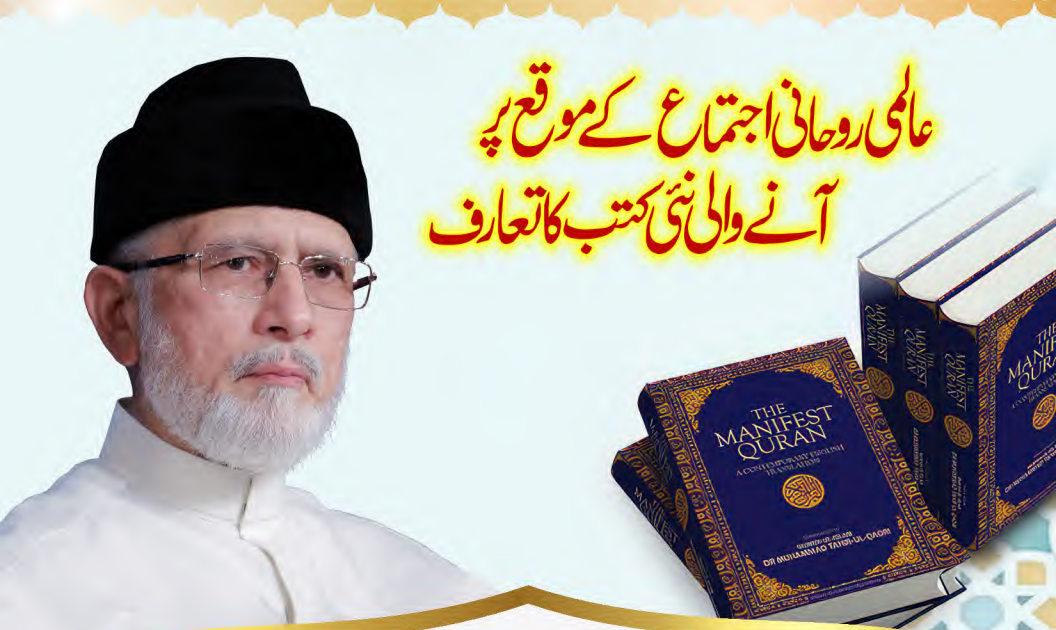

عالمی روحانی اجتماع کے موقع پر آنے والی نئی کتب کا تعارف

محمد فاروق رانا

عالمی روحانی اجتماع کے موقع پر آنے والی نئی کتب کا تعارف

عالمی روحانی اجتماع میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری، محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور محترم صاحبزادہ شیخ حماد مصطفی المدنی القادری کی امسال شائع ہونے والی درج ذیل کتب کا تعارف محترم محمد فاروق رانا (ڈائریکٹر فرید ملت ریسرچ انسٹیٹیوٹ) نے پیش کرتے ہوئے کہا کہ

تجدید واحیاے دین کی عصری و عالمی تحریک منہاج القرآن انٹرنیشنل کی علمی و تحقیقی کاوشیں اِس کا طرۂ امتیاز ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے ہزاروں معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے جو دنیا کو علم و آگہی اور شعور و بیداری دینے کے لیے آپ ﷺ پر نازل کیا گیا۔ تحریک منہاج القرآن کی بنیاد بھی اِسی اُلوہی منزل من اللہ پیغام پر رکھی گئی اور فکرِ قرآن و پیغامِ قرآن اس تحریک کے خمیر میں گوندھا گیا ہے۔ حضرت شیخ اکبر ابن عربی فرماتے ہیں کہ اُمتِ محمدیہ کے اولیاء کی سب سے بڑی کرامت ''علمِ صحیح'' ہے۔ گویا شیخ الاسلام کا تمام تر علمی و تحقیقی کام در حقیقت حضور نبی اکرم ﷺ کے سب سے بڑے معجزہ یعنی قرآن مجید کا فیضان ہے جو اِس امت کو نصیب ہو رہا ہے۔ ذیل میں گزشتہ عالمی میلاد کانفرنس کے بعد کے عرصہ میں طبع ہونے والی کتب کا مختصر تعارف درج کیا جا رہا ہے:

۱۔ The Manifest Quran

یہ ترجمہ قرآن حضور نبی اکرم ﷺ کے سب سے بڑے معجزہ یعنی قرآن کی خدمت کا ایک عظیم باب ہے جسے شیخ الاسلام نے رقم فرمایا ہے۔ شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کا تحریر کردہ اردو ترجمہ قرآن ''عرفان القرآن'' مکمل ایک جلد کی صورت میں 2005ء میں اور اِسی کا انگریزی ورژن *The Glorious Qur'an* کے نام سے 2006ء میں طبع ہوا۔ اُردو ترجمہ قرآن کی طرح آپ کے انگریزی ترجمہ قرآن کو بھی اُس وقت کے اِعتبار سے ممتاز اور جدید ترین ترجمۂ قرآن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اب اس انگریزی ترجمہ کو 18 سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ مغربی دنیا میں پروان چڑھنے والی نوجوان نسل کو جدید اور مروّجہ انگلش زبان میں قرآن مجید کے معانی و مفاہیم سے آگاہی دی جائے۔ اِس ضرورت کے پیشِ نظر شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ نے عہدِ حاضر کی جدید، مروّجہ اور متداول انگریزی زبان میں براہِ راست عربی متن سے ترجمۂ قرآن *The Manifest Quran* کے نام سے مکمل کیا۔ یہ بات بلا مبالغہ و اِشتباہ کہی جاسکتی ہے کہ کسی مترجم کے اپنے قلم سے براہِ راست عربی متن سے دو زبانوں میں ترجمۂ قرآن کرنے کی یہ پہلی مثال اور نظیر ہے۔

۲۔ A Practical Guide to Spiritual Wayfaring

راہِ سلوک و تصوف کے مسافر کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے نفس اور قلب کی اصلاح کرے۔ اس کے لیے ایک کامل استاد اور مربی و رہنما کی ضرورت ہوتی ہے، جو سالک کی قدم قدم پر رہنمائی کرے اور اُسے سلوک و تصوف کی منازل طے کروا کر درجہ کمال تک پہنچا دے۔ سلف صالحین اور اولیائے کاملین کے سابقہ ادوار میں اس کے لیے سالک کو سالہا سال کسی مربی اور صالح مرشد کی صحبت اختیار کرنا پڑتی تھی۔ شیخ الاسلام نے یہ کتاب تحریر فرما کر سلوک و تصوف کے میدان میں بھی ایک تجدیدی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ یہ کتاب راہِ سلوک کے مسافر کے لیے ایک شیخ اور مربی کا درجہ رکھتی ہے جو اُسے اس روحانی سفر کی ابتداء سے کمال تک کے ہر ہر قدم پر مکمل راہ نُمائی دیتی ہے۔

یہ کتاب اگرچہ ''سلوک و تصوف کا عملی دستور'' کا انگریزی ترجمہ ہے، تاہم شیخ الاسلام نے اس میں چالیس فیصد نئے اضافہ جات فرمائے ہیں۔ یہ کتاب منہاج یونی ورسٹی کے *Shaykh-ul-Islam Institute of Spiritual Studies* کے زیرِ اہتمام طبع کی گئی ہے۔

۳۔ سلسلہ تعلیماتِ اِسلام: 18 – پردہ کے اَحکام و مسائل

عورت کو پردہ و حجاب کا شرعی حکم شریعتِ اسلامیہ کا امتیازی وصف ہے جو صنفِ نازک کی شرم و حیا کی علامت اور عفت و حیا کا ضامن ہے۔ یہ عورت کو نہ صرف باوقار انداز میں زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے بلکہ فتنہ و فساد کے اس دور میں افرادِ معاشرہ کی نگاہِ غلط سے اس کی عزت و آبرو کے تقدس کا سب سے بڑا محافظ بھی ہے۔ المیہ ہے کہ عصرِ حاضر میں حجاب اور پردہ کے احکام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر کے دخترانِ اسلام کے افعال و کردار اور قلوب و اذہان کو پراگندہ کیا جا رہا ہے اور آزادیِ نسواں کے نام پر بے پردگی کو فروغ دیا جا رہا ہے۔

شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کے افادات پر مشتمل یہ کتاب دخترانِ اسلام کے لیے ایک ایسا رہبر نامہ ہے جس میں قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں حجاب، پردہ اور ستر سے متعلقہ ابحاث کا نہ صرف صحیح تصور بیان کیا گیا ہے بلکہ احکامِ پردہ میں غلط تاویلات کے ذریعے طرح طرح کے شکوک و شبہات کا رد کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ پردہ کی بنیاد قرآن و حدیث کی نصوص، ان کی فقہی تشریحات اور سلف صالحین کے تعامل پر قائم ہے۔ نیز یہ کہ پردہ اور حجاب ہرگز خواتین کی ترقی اور عملی زندگی میں اُن کے کردار کی ادائیگی میں حائل نہیں ہو سکتا۔

اس کتاب کے چھ ابواب میں 120 سے زائد سوالات اور ان کے جوابات درج کرتے ہوئے پردہ اور حجاب کی تمام جزئیات کا اِحاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اِس حوالے سے قانونی پہلو بھی ملحوظ رکھے گئے ہیں۔ نیز اس بابت جو اشکالات پیدا کیے جاتے ہیں کہ قرآن مجید میں حجاب کا ذکر نہیں ہے، یا اس نوعیت کے دیگر ابہامات اٹھائے جاتے ہیں، ان کا تشفی بخش جواب دیا گیا ہے۔ سلسلۂ تعلیماتِ اسلام کی یہ کتب نہایت سادہ اور عام فہم پیرائے میں ''سوالاً جواباً'' مرتب کی گئی ہیں، جو خاص طور پر خواتین اور نسلِ نوخیز کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کروانے کے لیے انتہائی مفید ہیں۔

۴۔ دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور

ماہر اِسلامی قانون، محققِ دستورِ مدینہ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی شہرۂ آفاق تصنیف ''دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور'' اپنے موضوع پر پہلی منفرد، ضخیم اور جامع ترین کتاب بہ یک وقت تین زبانوں عربی، انگریزی اور اُردو میں طبع ہوئی اور ان کا تعارف بھی دو زبانوں میں الگ سے طبع ہوا۔ اس بے مثال تحقیق میں دستورِ مدینہ کا جدید دساتیرِ عالم کے ساتھ فکر انگیز تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ عالمِ اسلام کی ممتاز یونیورسٹی جامعۃ الازہر کے

شیوخ نے کتب کے مشتملات و مباحث کی علمی ثقاہت کی تائید و توثیق کی ہے۔اِس تحقیق میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ دستورِ مدینہ میں نہ صرف ایسے آئینی اُصول موجود ہیں جن پر کسی جدید ریاست کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے بلکہ جدید دور کی ترقی یافتہ ریاستوں نے انہیں اختیار بھی کیا ہے۔کتاب میں اِسلام کے اُصولِ حکمرانی، اسلام کے ریاستی نظام، حقوقِ اِنسانی، جان و مال کا تحفظ، آزادیِ اِظہارِ رائے، حقوقِ نسواں اور ریاستی اختیارات جیسے اہم موضوعات کا مدلل اور دلنشیں انداز میں احاطہ کرتے ہوئے ناقدین کا علمی محاکمہ بھی کیا گیا ہے۔

۵۔رفیق اور رفاقت

جماعتی نظم اور تنظیمی دھارے میں کام کرنے والوں کے لیے محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی یہ کتاب اِک نسخہ کیمیا ہے۔اپنی نوعیت کی یہ منفرد کتاب ایک گائیڈ بک کی حیثیت رکھتی ہے۔

۶۔عالمی ماحولیاتی اِستحکام اور اِسلامی اَخلاقیات

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی یہ کتاب جدید دور کے مہیب ترین اور سب سے خطرناک مسئلہ کی جانب توجہ مبذول کراتی ہے۔اس لیے کہ صحت مند فضا اور صاف ستھرے ماحول کے بغیر دنیا پر زندگی کا وجود زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔یہ کتاب در حقیقت اِسی ماحولیاتی اِستحکام پر ایک منفرد تحقیق سموئے ہوئے ہے جس میں دورِ نَو کے پریشان کن اَعداد و شمار کے ساتھ ساتھ آفاقی مذہب اِسلام کی اِنسان پرور اور ماحول دوست تعلیمات بھی شامل ہیں۔ماحولیاتی آلودگی کے حوالے سے چشم کشا حقائق اور اِسلامی تعلیمات کی روشنی میں قابلِ عمل حل اور مفید تجاویز کتاب کا اَہم خاصّہ ہیں۔بلاشبہ یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔

۷۔ The Islamic Compendium

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے اس کتاب میں مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔اس تحقیقی دستاویز میں متنوع عنوانات جیسے بنی نوع انسان کی شناخت اور ان کے مختلف قبائل و اقوام میں تقسیم ہونے کی حکمت، مہذب معاشرے کی ناگزیریت، اِسلامی فنونِ لطیفہ، مسلمانوں کے کارہائے نمایاں، حیاتِ انسانی کی اقسام، حقوقِ نسواں، فلسفہ تعددِ اَزواج اور عصرِ حاضر کے مسائل جیسے مختلف تحقیقی زاویوں پر شان دار انداز سے روشنی

ڈالی گئی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ان تمام مسائل کا مناسب حل بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔

۸۔ Echoes of Eternity

یہ کتاب الشیخ حماد مصطفی المدنی القادری کی پہلی مطبوعہ تصنیف ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے فیض رساں خانوادے پر نگاہ ڈالی جائے تو آپ کے والد گرامی حضرت فرید ملتؒ کے علمی و روحانی فیض کی سلسبیل پوری تازگی و روانی کے ساتھ جاری و ساری ہے اور تشنگانِ علم و ہدایت کو سیراب کر رہی ہے۔ آپ کے خانوادے میں علم و فضل کے فروغ کا یہ سلسلہ چوتھی نسل میں بھی رواں دواں ہے۔ ایں ہمہ خانہ آفتاب است کے مصداق یہ ایک سلسلۃ الذہب ہے، جس کی ہر کڑی کی چمک دمک چشمِ عالم کو خیرہ کر رہی ہے۔

الشیخ حماد مصطفی المدنی القادری کی اس کتاب کے سات ابواب ہیں اور آخری سیکشن conclusion پر مشتمل ہے۔ آپ نے اس کتاب میں انسان کی ظاہری و باطنی اور دنیوی و اُخروی کامیابیوں کے لیے مختلف لائحہ عمل ذکر کیے ہیں۔ آپ نے واضح کیا ہے کہ کسی بھی کامیابی کے لیے جدو جہد لازمی ہے۔ انسان کی روح کے اندر ہی اُس کی منزل چھپی ہوتی ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ اپنی زندگی کے رازوں سے پردہ اُٹھانے کی کوشش کرے اور اگلے سفر کا آغاز کرے۔ یہ کتاب آج کے دور کے ان سوالات کا تسلی بخش جواب دیتی ہے کہ زندگی میں ہماری ترجیحات کیا ہونی چاہییں؟ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ زندگی کا مقصد کیسے تلاش کریں؟ زندگی میں ہم آہنگ کیسے رہیں؟ زندگی میں توازن کیسے حاصل کیا جائے؟

☆ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور محترم صاحبزادہ شیخ حماد مصطفی المدنی القادری کو ان کی علمی و فکری تصانیف کی اشاعت پر خصوصی مبارکباد دی، بے حد خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا اور دعاؤں سے نوازا۔ اس موقع پر شیخ الاسلام نے محمد فاروق رانا (ڈائریکٹر فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ) اور فرید ملت ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے جملہ سکالرز اور محترمہ فریدہ سجاد (FMRi ویمن سیکشن) اور ان کی پوری ٹیم کو بھی مبارکباد دی اور دعاؤں سے نوازتے ہوئے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کے ذریعے یہ کتب آخری مراحل سے گزر کر طباعت کے مرحلے تک جاتی ہیں۔ علم کا نور تحریک منہاج القرآن کے ذریعے پوری دنیا میں پھیل رہا ہے اور اندھیروں کو دور کر رہا ہے۔ اس تجدیدی کام کے اندر اس ٹیم کا بھی اہم کردار ہے۔ اللہ رب العزت انھیں بے حساب اجر عطا کرے۔

شہر اعتکاف 2024ء

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN
MAY-2024
LAHORE
Regd CPL No.41
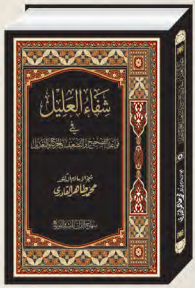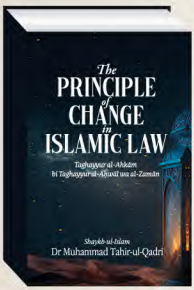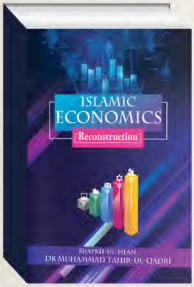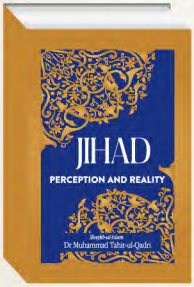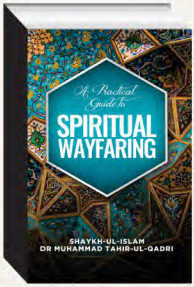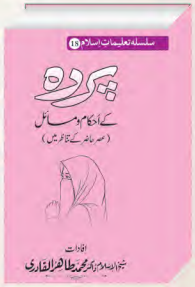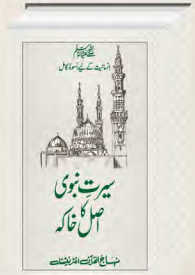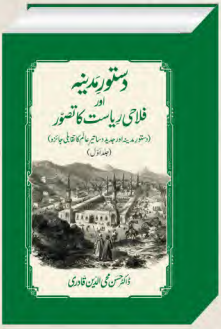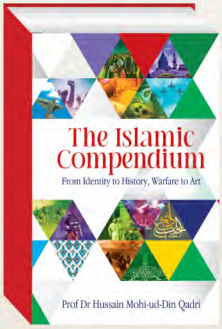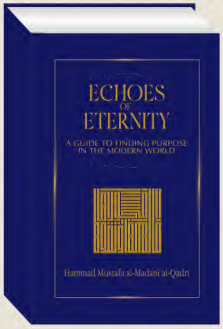
علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی، فقہی و قانونی، انقلابی اور فکری و عصری موضوعات پر کتب